استبقوا الخیرات

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

اپریل ۱۹۶۳ء

ایڈیٹر
رفیق احمد ثاقب

چندہ سالانہ ۵ روپے　　فی پرچہ ۵۰ پیسے　　ممالک بیرون ۱۰ شلنگ

اِنّا للہِ وَاِنّا الیہِ رَاجِعُونَ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی" (المصلح الموعود)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ خالد ربوہ

ایڈیٹر :- رفیق احمد ثاقب ؔ نائبین :- انور حسن، لطف الرحمٰن محمود

شمارہ ۶	اپریل سنہ ۱۹۶۳ء	شہادت ۱۳۴۲ھ	جلد ۹

ترتیب

(سید عبدالباسط پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ "خالد" دارالصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا)

افتتاحیہ

اخوت کے تقاضے

اگر آپ مجلس خدام الاحمدیہ کے مرکزی دفاتر کے وسیع احاطہ میں داخل ہوں اور خوشنما پھولوں سے سجی ہوئی کیاریوں کے ساتھ سے گزرتے ہوئے برآمدہ کی راہ سے دفتر کے کمیٹی روم میں داخل ہونا چاہیں تو آپ کی اولین نگاہ مقابل کی دیوار پر آویزاں سیاہ رنگ کے حاشیہ والے ایک بڑے سے چوکھٹے پر مرتکز ہو جاتی ہے جس کی شفاف بلوری سطح کے نیچے، چمکیلے سفید کاغذ پر سیاہ روشنائی سے لکھی گئی کچھ عبارت جھانکتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اس عبارت کی سُرخی عنوان نمایاں طور پر جلی اور خوشخط حروف میں لکھی ہونے کے باعث دروازہ میں قدم رکھتے ہی بآسانی پڑھی جا سکتی ہے۔

"خدام الاحمدیہ کے عہدیداران اسے غور سے پڑھیں"

اس فقرہ پر نگاہ پڑتے ہی کمرہ میں داخل ہونے والا ہر شخص اس طرف متوجہ ہوتا ہے۔ ضرور یہ کوئی اہم پیغام ہے جسے غور سے پڑھنے کی پُرزور دعوت دی گئی ہے۔ آیئے دروازہ کے سامنے بچھی ہوئی طویل و عریض میز اور اس کے گرداگرد رکھی گئی درجن بھر کرسیوں سے بچتے بچاتے آگے بڑھیں اور سُرخی عنوان کے نیچے نسبتاً باریک قلم سے لکھی گئی باقی عبارت بھی پڑھیں۔ قریب آنے سے مکمل عبارت کی شکل یُوں نظر آتی ہے:-

"خدام الاحمدیہ کے عہدیداران اسے غور سے پڑھیں!"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"ہماری جماعت کو سرسبزی نہیں آئے گی جب تک وہ آپس میں سچی ہمدردی نہ کریں۔ جسے پوری طاقت دی گئی ہے وہ کمزور سے محبت کرے۔ میں جو یہ سنتا ہوں کہ کوئی کسی کی لغزش دیکھتا ہے تو اُس سے اخلاق سے پیش نہیں آتا بلکہ نفرت اور کراہت سے پیش آتا ہے۔ حالانکہ چاہیئے تو یہ کہ اس کے لئے دُعا کرے، محبت کرے اور اسے نرمی اور اخلاق سے سمجھائے مگر بجائے اس کے کینہ میں زیادہ ہوتا ہے۔ اگر عفو نہ کیا جائے، ہمدردی نہ کی جائے، اس طرح پر بگڑتے بگڑتے انجام بد ہو جاتا ہے خدا تعالیٰ کو یہ منظور نہیں۔ جماعت تب بنتی ہے کہ بعض بعض کی ہمدردی کرے پردہ پوشی کی جاوے

جب یہ حالت پیدا ہو تب ایک وجود ہو کر ایک دوسرے کے جوارح ہو جاتے ہیں اور اپنے تئیں حقیقی بھائی سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ ایک شخص کا بیٹا ہو اور اس سے کوئی قصور سرزد ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی کی جاتی ہے اور اس کو الگ سمجھایا جاتا ہے۔ بھائی کی پردہ پوشی کبھی نہیں چاہتا کہ اس کے لئے اشتہار دے۔ پھر جب خدا تعالیٰ بھائی بناتا ہے تو کیا بھائی کے حقوق یہی ہیں؟ دنیا کے بھائی اخوت کا طریق نہیں چھوڑتے۔ .... یہ طریق نامبارک ہے کہ اندرونی پھوٹ ہو۔ خدا تعالیٰ نے صحابہؓ کو بھی یہی طریق و نعمتِ اخوت یاد دلائی ہے۔ اگر وہ سونے کے پہاڑ بھی خرچ کرتے تو وہ اخوت ان کو نہ ملتی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذریعہ ان کو ملی۔ اسی طرح پر خدا تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم کیا ہے اور اسی قسم کی اخوت وہ یہاں قائم کرے گا۔ خدا تعالیٰ پر مجھے بہت بڑی امیدیں ہیں۔ اس نے وعدہ کیا ہے۔ وجاعل الّذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا الی یوم القیامۃ۔ میں یقیناً جانتا ہوں کہ وہ ایک جماعت قائم کرے گا جو قیامت تک منکروں پر غالب رہے گی۔ مگر یہ دن جو ابتلاء کے دن ہیں اور کمزوری کے ایام ہیں اور ہر ایک شخص کو موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی اصلاح کرے اور اپنی حالت میں تبدیلی کرے۔ دیکھو ایک دوسروں کا شکوہ کرنا، دل آزاری کرنا اور سخت زبانی کر کے ایک دوسرے کے دل کو صدمہ پہنچانا اور کمزوروں اور عاجزوں کو حقیر سمجھنا سخت گناہ ہے۔"

(الحکم ۲۴ر اگست سنہ ۱۹۰۲ء)

یہ قیمتی اقتباس تھوڑے ہی دن ہوئے محترم صدر مجلس کے خصوصی ارشاد پر دفتر مرکزیہ میں آویزاں کیا گیا ہے۔ یوں تو حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی بیان فرمودہ ایک ایک بات اور ایک ایک فقرہ ہمارے لئے زندگی بخش پیغام کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن بہر حال موقع، محل، اپنی کوتاہیوں اور ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے محترم صدر صاحب نے اس ایک عبارت کا انتخاب فرمایا ہے تاکہ مجلس خدام الاحمدیہ کے عہدیداران اور کارکنان کو مرکز کی پالیسی اور طریقِ کار کے بارہ میں آگاہی حاصل ہو اور وہ ان بیان فرمودہ امور کی طرف خاص دھیان دیں اور اپنی اس روحانی اخوت کے تقاضوں کو پورا کرنے کی غرض سے نرمی، پیار، محبت اور ہمدردی کو اپنا شعار بنائے رکھیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ خدام الاحمدیہ کے جملہ عہدیداران اور دیگر تمام ممبران ان ہدایات کو نہایت غور سے پڑھیں گے اور بار بار پڑھتے رہیں گے۔ اور انہیں اپنے دل و دماغ میں ہمیشہ مستحضر رکھیں گے اور انہی کی روشنی میں اپنے فرائض کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہیں گے۔ واللہ المستعان۔

وما توفیقنا الّا باللہ العلیّ العظیم۔

مجالسِ بیرون کی تنظیمِ نَو!

مجلس خدام الاحمدیہ ایک عالمگیر تنظیم ہے۔ جس کی شاخیں دنیا بھر کے بیسیوں ممالک میں سینکڑوں مقامات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ مرکز سے دُور ہونے کے سبب اور ہر جگہ کے حالات مختلف ہونے کے باعث بیرونی ممالک میں مجالس خدام الاحمدیہ کی باقاعدہ تنظیم قائم رکھنے کے سلسلہ میں خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تاہم یہ امر بڑا مسرورکن ہے کہ گزشتہ تقریباً ایک سال سے مرکز نے مجالسِ بیرون کی طرف زیادہ توجہ دینی شروع کی ہے اور روز بروز پہلے سے زیادہ توجہ دی جا رہی ہے۔ اِس توجہ اور کوشش کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ان مجالس میں بیداری پیدا ہو رہی ہے اور ان میں کام کرنے کا جوش اور خدام الاحمدیہ کی اہمیت کا احساس بڑھتا جا رہا ہے۔

دستورِ اساسی کی دفعات کے مطابق محترم صدرِ مجلس کی طرف سے مختلف ممالک کے لئے خود اُنہی میں سے ایک ایک نائب صدر (مُلک) کا تقرر کیا گیا ہے۔ جسے صدرِ مجلس کی طرف سے بعض خاص اختیارات تفویض کئے گئے ہیں۔ مرکزی ہدایات کے مطابق ہر نائب صدر اپنے مُلک کی تمام مجالس خدام الاحمدیہ کی عمومی نگرانی کرے گا۔ تاہم مقامی قائدین مرکز سے براہِ راست بھی رابطہ رکھیں گے۔ مرکز میں صدرِ مجلس کی زیرِ ہدایت مہتمم مجالسِ بیرون نے تمام بیرونی مجالس کے کام کی نگرانی وغیرہ کے فرائض سرانجام دینے ہوتے ہیں۔ تنظیمِ نو کا یہ کام چونکہ ابھی ابتدائی مراحل میں ہے اس لئے شروع میں بعض مقامات پر خاصی دقتیں بھی پیش آجاتی ہیں۔ مگر اُمید ہے رفتہ رفتہ کام اور دستوری قوانین سے واقفیت ہونے پر یہ دقتیں کم ہو جائیں گی۔ مرکزی مہتمم صاحب مجالسِ بیرون نے ہمیں گزشتہ دو ایک ماہ کے کام کا جو جائزہ بھجوایا ہے وہ خاصا حوصلہ افزا ہے۔ چنانچہ اُن کی رپورٹ کے مطابق انگلستان میں مختلف مقامات پر مجالس قائم کی جا رہی ہیں۔ لندن کی مجلس اپنے نائب صدر (مُلک) مکرم بشیر احمد صاحب رفیق اور قائد مقامی ملک خلیل الرحمٰن صاحب کی زیرِ نگرانی ایک نئے جوش اور ولولہ کے ساتھ میدان عمل میں اُتری ہے۔ خدام کی دلچسپی اور وابستگی بڑھانے کے لئے مباحثات وغیرہ کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ خدام کو مجلس

کی سرگرمیوں سے مطلع رکھنے کے لئے ایک ماہانہ نیوز لیٹر (News letter) شائع کیا جاتا ہے۔ اور وقتاً فوقتاً تبلیغی پمفلٹ وغیرہ شائع کرکے تقسیم کئے جاتے ہیں۔

اسی طرح کیپ ٹاؤن (جنوبی افریقہ) میں قائد مجلس محترم ایم۔ جی ابراہیم کی کوششوں کے نتیجہ میں بیداری پیدا ہو رہی ہے۔ انڈونیشیا کی مجالس کی متفرق مساعی میں سے اُن کی گیارہ روزہ تربیتی کلاس کا انعقاد قابلِ ذکر ہے جو خدام اور اطفال کی تنظیم و تربیت کے لحاظ سے دُور رس نتائج کی حامل ہوئی۔ دیگر ممالک مثلاً ٹانگانیکا یونائیٹڈ سٹیٹس اور ماریشس کی مجالس میں بھی بیداری پیدا ہو رہی ہے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیں اُمید ہے کہ اگر کارکنان اور عہدیداران کی مساعی اسی نہج پر جاری رہیں تو بیرونی ممالک کی مجالس بھی پاکستان کی مجالس کے دوش بدوش بہت جلد ترقی کے مراحل طے کرنا شروع کر دیں گی۔ اور مسابقت بالخیرات کا عمدہ نظارہ پیش کر سکیں گی۔ انشاء اللہ۔

دینی تربیت کے حصول کا نادر موقعہ!

گزشتہ کئی برس سے مجلس مرکزیہ کے زیرِ انتظام ربوہ میں پندرہ روزہ تربیتی کلاسوں کا انعقاد عمل میں لایا جا رہا ہے۔ یہ تعلیمی و تربیتی کلاسیں اپنے دُور رس نتائج کے لحاظ سے انتہائی فائدہ بخش ثابت ہو رہی ہیں۔ بالخصوص مرکزِ سلسلہ سے باہر رہائش رکھنے والے حضرات کے لئے تو یہ دینی تعلیم حاصل کرنے کا ایک نادر موقعہ بہم پہنچاتی ہیں۔ امسال یہ کلاس ۱۹ اپریل سے شروع ہو کر ۳ مئی تک جاری رہیگی۔ ان دنوں میٹرک کا امتحان دینے والے طلباء فارغ ہو چکے ہوں گے اور درحقیقت یہ تاریخیں انہی کی سہولت اور فراغت کا خیال رکھتے ہوئے تجویز کی گئی ہیں۔ اس لئے انہیں اس سنہری موقعہ سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ کون جانتا ہے کہ آئندہ اس قسم کے مواقع میسر آ بھی سکیں گے یا نہیں! انٹرنس کا امتحان جہاں بہت سے طلباء کے لئے اعلیٰ تعلیم کے راستے کھولتا ہے وہاں اُن کی اکثریت مزید تعلیم کے مواقع اور سہولتیں حاصل نہ ہونے کے سبب حصولِ معاش کے دھندوں میں پھنس جاتی ہے۔ ہر دو صورتوں میں انہیں دینی تعلیم کے حصول کے مواقع بہت کم ہی میسر آتے ہیں۔ اس لئے ان ایام کو غنیمت جانتے ہوئے انہیں اس تربیتی کلاس میں ضرور شرکت کرنی چاہیئے۔ دیگر اصحاب بھی جنہیں فرصت میسر آ سکے اس کلاس میں شامل ہو کر اس کے بیش بہا فوائد حاصل کر سکتے ہیں۔ محترم صدر مجلس کی ہدایات کے مطابق علاقائی سطح پر بھی بعض مقامات پر اسی نمونہ کی کلاسیں منعقد ہوں گی۔ اُن سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

معارف القرآن

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝

کچھ مرد ہیں جن کو اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ کے دینے سے نہ تجارت اور نہ سودا بیچنا غافل کرتا ہے۔ وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اُلٹ جائینگے اور آنکھیں پلٹ جائینگی نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ انکو انکے اعمال کی بہتر سے بہتر جزا دیگا اور انکو اپنے فضل سے (مال و اولاد میں) بڑھا دے گا اور اللہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔ (النور ۳۸-۳۹)

تشریح:۔

بعض مالدار ایسے ہوتے ہیں کہ نادان انسان سمجھتا ہے کہ انہیں مال سے بہت محبت ہے۔ مگر ان کے آسمانی ہونے کی یہ دلیل ہوتی ہے کہ جب بھی انہیں خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی آواز آتی ہے وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کی طرف دَوڑ پڑتے ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے ثابت کر دیتے ہیں کہ ان کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ان کی دنیا دین کے راستہ میں روک نہیں بلکہ وہ دنیا اس لئے کماتے ہیں کہ زیادہ دلجمعی سے خدمتِ دین کر سکیں۔ بعض کا خیال ہے کہ سرے سے دنیا کمانی ہی نہیں چاہیئے۔ اور چاہیئے کہ تمام افراد سارا وقت دینی کام کرتے رہیں۔ مثلاً حضرت مسیحؑ نے مال نہ جمع کرنے اور تمام مال لوگوں کو دے دینے کی تعلیم دی (متی ۶/۱۹، ۱۹/۲۱) مگر عیسائیوں کی ترقی اس تعلیم سے مُنہ پھیر لینے کا نتیجہ ہے۔ بعض سمجھتے ہیں کہ دولت جیسے بھی چاہے کمائی جائے مذہب کا اس سے کوئی دخل نہیں۔ اسکے

برعکس اسلام نے دنیا کمانے سے منع نہیں کیا بلکہ مال کا نام فضل اللہ رکھا ہے (جمعہ ۱۱/۹۲) اگر اسلام تجارت و صنعت و حرفت سے منع کرتا تو اس کے معنے یہ ہوتے کہ اسلام اس امر کو روا رکھتا ہے کہ دنیا کا ایک حصہ تو اسلام میں داخل ہو مگر دوسرا حصہ بے شک داخل نہ ہو۔ اسلئے اسلام نے ان چیزوں کی اجازت دے کر کچھ قواعد کی پابندی لازم قرار دیدی ہے تاکہ دین کو بھی نقصان نہ ہو اور دنیا کی مشکلات میں بھی اضافہ نہ ہو یہ قواعد حسب ذیل ہیں:۔

پہلا قاعدہ تو یہی بیان ہوا ہے کہ وہ بے شک تجارت کریں، بیع کریں مگر یہ چیزیں دین کے رستہ میں روک نہیں ہونی چاہئیں۔

دوسرا قاعدہ تو یہ ہے سے ظاہر ہے کہ جو شخص روپیہ کما کر اتنا بخیل ہو جاتا ہے کہ راہِ خدا میں بھی خرچ نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے ایسی تجارت جائز نہیں۔ جس کے نتیجہ میں بیکار رکھنے

کے لئے روپیہ جمع کیا جائے۔ ہاں کسی دوسرے وقت خرچ کرنے کے لئے روپیہ کا پس انداز کرنا جائز ہے۔

تیسرا قاعدہ جو روپیہ اپنی ضروریات کے لئے عارضی طور پر جمع کیا جائے اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ ادا کی جائے۔ ہاں جس مال پر گورنمنٹ نے زکوٰۃ کے برابر ٹیکس لے لیا ہو اُس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

چوتھا قاعدہ کشائش و تنگی دونوں حالتوں میں مسلمانوں کو مساکین کے لئے خرچ کرنا چاہیئے (۳/۱۳۵) تنگدست پر زکوٰۃ واجب نہیں اس لئے یہاں طوعی صدقہ مراد ہے نہ کہ زکوٰۃ۔ ضَرّاء کے یہ معنے نہیں کہ انسان کے پاس کچھ نہ ہو پھر بھی خرچ کرے بلکہ اس لفظ کا استعمال اس لئے ہے کہ بعض اوقات بڑے بڑے تاجروں پر بھی تنگی آجاتی ہے۔

پانچواں قاعدہ فرماتا ہے تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (۵/۳) یعنی ایک تو ایسی تجارتیں اور صنعتیں اختیار کی جائیں جو تقویتِ دین کا موجب ہوں۔ دوسرے آپس میں بھی تعاون کیا جائے یعنی دوسروں کو کام سکھلا کر علم کو وسیع کیا جائے۔

چھٹا قاعدہ حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ۔

خواہ کسی کام میں مصروف ہو انسان کو ایک مقصد سامنے رکھنا چاہیئے کہ دین کی ترقی ہو۔

ساتواں قاعدہ وزن درست ہونا چاہیئے۔

آٹھواں قاعدہ دھوکہ، فریب اور ملاوٹ جائز نہیں۔

نواں قاعدہ غلّہ یا کوئی اور چیز اس لئے نہ روکی جائے کہ مہنگی ہونے پر بیچیں گے۔

دسواں قاعدہ مزدور کو اس کا حق پورا اور وقت پر دیا جائے۔

گیارھواں قاعدہ انسان مال کے نتیجہ میں اپنے اندر کبر اور امیر و غریب کا فرق پیدا نہ ہونے دے۔

بارھواں قاعدہ مالدار موت کے وقت اپنے اموال کا کچھ حصہ غرباء اور دین کی خدمت کے لئے وقف کر دے۔ (۲/۱۸۷)

اگر کوئی تاجر ان اصولوں کو مدّنظر رکھے تو خواہ بظاہر وہ تجارت کر رہا ہو مگر وہ ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسا کہ دین کا کام کر رہا ہو۔

(مخزنِ معارف)

احادیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ شکر گزاری

اُمّ المومنین عائشہ رضی فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نماز میں اس قدر کھڑے ہوتے کہ آپ کے دونوں پاؤں متورم ہو جاتے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کے پچھلے گناہ معاف ہیں آپ کیوں اس قدر سخت مجاہدہ کرتے ہیں؟ فرمایا کہ کیا میں شکر گزار نہ بنوں؟ (بخاری مسلم)

۲۔ تبلیغ ہدایت کی اہمیت

سہل بن سعدؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا۔ اگر تیرے ذریعے ایک آدمی کو بھی اللہ تعالیٰ ہدایت کر دے تو تیرے لئے یہ کام سُرخ اونٹوں (مراد دنیاوی مال و وجاہت) سے بہتر ہے۔ (مسلم)

۳۔ جائز حسد

ابنِ مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسد کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ سوائے دو شخصوں پر۔ ایک وہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مال دیا اور اس کو راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق دی۔ دوسرے وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا اور وہ اس کے موافق لوگوں میں حکم کرتا ہے اور لوگوں کو سکھاتا ہے۔ (بخاری)

۴۔ اعمال کا اجر

انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کافر جب نیک عمل کرتا ہے تو اس کے سبب سے دنیا میں اس کی روزی کی کشائش ہو جاتی ہے مگر مومن کی نیکیوں کا اللہ تعالیٰ آخرت کے لئے ذخیرہ کرتا ہے اور اس کی بندگی پر دنیا میں بھی اس کو رزق دیتا ہے۔ (مسلم)

۵۔ دو قطرے اور دو نشان

ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی شے دو قطروں اور دو نشانوں سے زیادہ محبوب نہیں ہے۔ ایک قطرہ آنسو کا جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے بہایا جائے۔ دوسرا قطرہ خون کا جو جہاد فی سبیل اللہ میں گرایا جائے۔ اور دو نشان یہ ہیں۔ ایک جہاد فی سبیل اللہ میں آدمی کا چلنا۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کسی فرض کے ادا کرنے کیلئے چلنا۔ (قدموں کے نشان مراد ہیں) — (ترمذی)

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

اسلام کیا چیز ہے؟

خدا تعالیٰ نے ہر ایک چیز کو پیدا کر کے اس کی پیدائش کے مناسب حال اس میں ایک کمال رکھا ہے۔ جو اسکے وجود کی علّتِ غائی ہے اور ہر یک چیز کی واقعی قدر و قیمت اِسی صورت میں ہوتی ہے کہ جب وہ چیز اپنے کمال تک پہنچ جائے۔ مثلاً بیلوں میں قلبہ رانی اور آبپاشی اور بار برداری کا ایک کمال ہے اور گھوڑوں میں انسانوں کی سواری کے نیچے ان کی منشاء کے موافق کام دینا ایک کمال ہے۔ اور اگرچہ ان کمالات تک پہنچنا اِن جانوروں کی استعداد میں داخل ہے مگر تاہم کاشتکاروں اور چابک سواروں کی تعلیم سے یہ کمالات ان کے ظہور میں آتے ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ ریاضت اور تعلیم دینے سے ایسی طرز سے ان جبلّی استعدادوں کو ان جانوروں میں پیدا کر دیتے ہیں جو ان کے اپنی منشاء کے موافق ہوں۔ پس اس قاعدہ کے رُو سے ماننا پڑتا ہے کہ انسان بھی کسی کمال کے حاصل کرنے کیلئے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ جب کہ دنیا کی کسی چیز کا وجود عبث اور بیکار نہیں تو پھر انسان جیسا ایک نادر الخلقت جاندار جس میں بہت سی عمدہ اور بے مثل قوتیں پائی جاتی ہیں کیونکر اپنی خلقت کی رُو سے محض بے فائدہ اور نکما ٹھہر سکتا ہے۔ لیکن یہ گمان نہیں ہو سکتا کہ انسان کا عمدہ کمال یہی ہے کہ وہ کھانے پینے اور ہر یک قسم کی عیاشی اور دولت اور حکومت کی لذّات میں عمر بسر کرے کیونکہ اِس قسم کی لذات میں دوسرے جانور بھی اس کے شریک ہیں۔ بلکہ انسان کا کمال اِن قوتوں کے کمال پر موقوف ہے جو اس میں اور اس کے غیر میں مابہ الامتیاز ہیں۔ اور انسان کے دین کا کمال یہ ہے۔ اس کی ہر یک قوت میں دین کی چمک نظر آوے اور ہر یک فطرتی طاقت اس کی ایک دین کا چشمہ ہو جاوے اور وہ قوتیں یہ ہیں۔

عقل۔ عفت۔ شجاعت۔ عدل۔ رحم۔ صبر۔ استقامت۔ شُکر۔ محبت۔ خوف۔ طمع۔ حزن۔ غم۔ ایثار۔ سخاوت۔ ہمت۔ حیا۔ سخط۔ غضب۔ اعراض۔ رضا۔ شفقت۔ تذلّل۔ حمد۔ ذم۔ امانت۔ دیانت۔ صدق۔ عفو۔ انتقام۔ کرم۔ جود۔ مواسات۔ ذکر۔ تصوّر۔ مروّت۔ غیرت۔ شوق۔ ہمدردی۔ حلم۔ شدت۔ فہم۔ فراست۔ تدبیر۔ تقویٰ۔ فصاحت۔ بلاغت۔ عمل جوارح۔ ذوق۔ اُنس۔ دعا۔ نطق۔ ارادہ۔ تواضع۔ رفق۔ مدارات۔ تحنن۔ وفا۔ حسن عہد۔ صلہ رحم۔ وقار۔ خشوع۔ خضوع۔ زہد۔ غبط۔ ایجاد۔ معاونت۔ طرز تمدّن۔ تسلیم۔ شہادت صدق۔ رضا بقضا۔ احسان۔ توکل۔ اعتماد۔ تحمل۔ ایفاد عہد۔ تبتّل۔ اطاعت۔ موافقت۔ مخالطت۔ عشق۔ فنا نظری۔ نظر۔ فکر۔ حفظ۔ ادراک۔

بغض - عداوت - حسرت - اخلاص - علم الیقین - عین الیقین - حق الیقین - جہد - توبہ - ندامت - استغفار - بذلِ روح - ایمان - توحید - رؤیا - کشف - سمع - بصر - خطرات - یہ تمام قوتیں انسان میں بھی پائی جاتی ہیں اور کوئی دوسرا جاندار ان میں شریک نہیں - اور اگرچہ بظاہر ایک ایسا شخص جس کو تدبّر اور تفکّر کرنے کی عادت نہیں کہہ سکتا ہے کہ ان قوتوں میں کئی ایک ایسی قوتیں بھی ہیں جن میں بعض دوسرے جانور بھی شریک ہیں مثلاً محبت یا خوف یا عداوت مگر پوری پوری غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ شراکت صرف صورت میں ہے نہ کہ حقیقت میں - انسانی محبت اور خوف اور عداوت انسانی عقل اور معرفت اور تجربہ کا ایک نتیجہ ہے - پھر جبکہ انسانی عقل اور معرفت اور تجربہ دوسرے حیوانات کو حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر اس کا نتیجہ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے - یہی وجہ ہے کہ انسانی محبت اور خوف اور عداوت کا کوئی انتہا نہیں - انسانی محبت رفتہ رفتہ عشق تک پہنچ جاتی ہے - یہاں تک کہ وہ محبت انسان کے دل میں اس قدر گھر کر جاتی ہے کہ اس کے دل کو چیر کر اندر چلی جاتی ہے اور کبھی اس کو دیوانہ سا بنا دیتی ہے اور نہ صرف محبوب تک ہی محدود رہتی ہے بلکہ انسان اپنے محبوب کے دوستوں سے بھی محبت کرتا ہے اور اس شہر سے بھی محبت کرتا ہے جس میں وہ رہتا ہے اور ان اوضاع اور اطوار سے بھی محبت کرتا ہے جو محبوب میں پائے جاتے ہیں اور اس ملک سے بھی محبت کرتا ہے جہاں محبوب رہتا ہے - ایسا ہی انسانی عداوت بھی صرف ایک شخص تک محدود نہیں رہتی اور بعض اوقات پشتوں تک اس کا اثر باقی رہتا ہے - ایسا ہی انسانی خوف بھی دور دراز نتیجہ سے پیدا ہوتا ہے - یہاں تک کہ آخرت کا خوف بھی دامنگیر ہو جاتا ہے - لہذا دوسرے حیوانات کی قوتیں انسانی قوتوں کے منبع اور سرچشمہ میں سے ہرگز نہیں ہیں بلکہ وہ ایک طبیعی خواص ہیں جو بلے اختیار ان سے ظہور میں آتے ہیں اور جو کچھ انسان کو دیا گیا ہے وہ انسان ہی کے ساتھ خاص ہے -

اب جاننا چاہیئے کہ جس قدر انسان کو قوتیں دی گئی ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے ان کو خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے اپنے محل پر خرچ کرنا اور ہر ایک قوت کا خدا تعالےٰ کی مرضی اور رضا کے راہ میں جنبش اور سکون کرنا یہی وہ حالت ہے جس کا قرآن شریف کی رُو سے اسلام نام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اسلام کی یہ تعریف فرماتا ہے بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ یعنے انسان کا اپنی ذات کو اپنے تمام قویٰ کے ساتھ خدا تعالیٰ کی راہ میں وقف کر دینا اور پھر اپنی معرفت کو احسان کی حد تک پہنچا دینا یعنی ایسا پردہ غفلت درمیان سے اٹھانا کہ گویا خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے - یہی اسلام ہے - پس ایک شخص کو مسلمان اس وقت کہہ سکتے ہیں کہ جب

نوٹ :- وجہہ کے اصل معنے لغت کی رُو سے مُنہ کے ہیں - چونکہ انسان مُنہ سے شناخت کیا جاتا ہے اور کروڑہا انسانوں میں مابہ الامتیاز مُنہ سے قائم ہوتا ہے اس لئے اس آیت میں منہ سے مراد استعارہ کے طور پر انسان کی ذات اور اس کی قوتیں ہیں جن کی رُو سے وہ دوسرے جانوروں سے امتیاز رکھتا ہے گویا وہ قوتیں اس کی انسانیت کا مُنہ ہے ؛

یہ تمام قوتیں اس کی خدا تعالیٰ کی راہ میں لگ جائیں اور اس کے زیر حکم واجب طور پر اپنے اپنے محل پر مستعمل ہوں۔ اور کوئی قوت بھی اپنی خودروی سے نہ چلے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نئی زندگی کامل تبدیلی سے ملتی ہے اور کامل تبدیلی ہرگز ممکن نہیں جب تک انسان کی تمام قوتیں جو اس کی انسانیت کا نچوڑ اور لب لباب ہیں اطاعتِ الٰہی کے نیچے نہ آجائیں۔ اور جب تمام قوتیں اطاعتِ الٰہی کے نیچے آگئیں اور اپنے نیچرل خواص کے ساتھ خطِ استقامت پر چلنے لگیں تو ایسے شخص کا نام مسلمان ہوگا۔ لیکن ان تمام قوتوں کا اپنے اپنے مطالب میں پورے پورے طور پر کامیاب ہوجانا اور رضائے الٰہی کے نیچے گم ہو کر اعتدالِ مطلوب کو حاصل کرنا بجز تعلیمِ الٰہی اور تائیدِ الٰہی غیر ممکن اور محال ہے اور ضرور تھا کہ کوئی کتاب دنیا میں خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسی نازل ہوتی کہ جو اسلام کا طریق خدا کے بندوں کو سکھاتی۔ کیونکہ جس طرح ہم اپنے ماتحت جانوروں گھوڑوں گدھوں بیلوں وغیرہ کو تربیت کرتے ہیں تا اُن کی مخفی استعدادیں ظاہر کریں اور اپنی مرضی کے موافق اُن کو چلاویں اسی طرح خدا تعالیٰ پاک فطرت انسانوں کی فطرتی قوتیں ظاہر کرنے کے لئے اُن کی توجہ فرماتا ہے اور کسی کامل فطرت پر وحی نازل کرکے دوسروں کی اس کے ذریعہ سے اصلاح کرتا ہے تا وہ اس کی اطاعت میں محو ہوجائیں۔ یہی قدیم سے سنت اللہ ہے اور ہمیشہ خدا تعالیٰ ہر یک زمانہ کی استعداد کے موافق اسلام کا طریق اس زمانہ کو سکھاتا رہا ہے۔

اور چونکہ پہلے نبی ایک خاص قوم اور خاص ملک کے لئے آیا کرتے تھے اس لئے اُن کی تعلیم جو ابھی ابتدائی بھی مجمل اور ناقص رہتی تھی کیونکہ بوجہ کمی قوم اصلاح کی حاجت کم پڑتی تھی۔ اور چونکہ انسانیت کے پودہ نے ابھی پورا نشوونما بھی نہیں کیا تھا اس لئے استعدادیں بھی کم درجہ پر تھیں اور اعلیٰ تعلیم کی برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔ پھر ایسا زمانہ آیا کہ استعدادیں تو بڑھ گئیں مگر زمین گناہ اور بدکاری اور مخلوق پرستی سے بھر گئی اور سچی توحید اور سچی راستبازی نہ ہندوستان میں باقی رہی اور نہ مجوسیوں میں اور نہ یہودیوں میں اور نہ عیسائیوں میں اور تمام قومیں ضلالت اور نفسانی جذبات کے نیچے دب گئیں۔ اس وقت خدا نے قرآن شریف کو اپنے پاک نبی محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل کرکے دنیا کو کامل اسلام سکھایا۔ اور پہلے نبی ایک ایک قوم کے لئے آیا کرتے تھے اور اسی قدر سکھلاتے تھے جو اُسی قوم کی استعداد کے اندازہ کے موافق ہو اور جن تعلیموں کی وہ لوگ برداشت نہیں کرسکتے تھے وہ تعلیمیں اسلام کی اُن کو نہیں بتلاتے تھے اس لئے اُن لوگوں کا اسلام ناقص رہتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن دینوں میں سے کسی دین کا نام اسلام نہیں رکھا گیا۔ مگر یہ دین جو ہمارے پاک نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دنیا میں آیا اس میں تمام دنیا کی اصلاح منظور تھی اور تمام استعدادوں کے موافق تعلیم دینا مدّنظر تھا اس لئے یہ دین تمام دنیا کے دینوں کی نسبت اکمل اور اتم ہوا اور اسی کا نام بالخصوصیت اسلام رکھا گیا اور اسی دین کو خدا نے کامل کہا۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ و

اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ یعنی آج میں نے دین کو کامل کیا اور اپنی نعمت کو پورا کیا اور میں راضی ہؤا جو تمہارا دین اسلام ہو۔ چونکہ پہلے دین کامل نہیں تھے اور ان قوانین کی طرح تھے جو مختص القوم یا مختص الزمان ہوتے ہیں اس لئے خدا نے ان دینوں کا نام اسلام نہ رکھا اور ضرور تھا کہ ایسا ہوتا کیونکہ وہ انبیاء تمام قوموں کے لئے نہیں آئے تھے بلکہ اپنی اپنی قوم کے لئے آئے تھے اور اسی خرابی کی طرف اُن کی توجہ ہوتی تھی جو اُن کی قوم میں پھیلی ہوئی ہوتی تھی اور انسانیت کی تمام شاخوں کی اصلاح کرنا اُن کا کام نہیں تھا کیونکہ اُن کے زیر علاج ایک خاص قوم تھی جو خاص آفتوں اور بیماریوں میں مبتلا تھی اور اُن کی استعدادیں بھی ناقص تھیں اس لئے وہ کتابیں ناقص رہیں کیونکہ تعلیم کے اغراض خاص خاص قوم تک محدود تھے۔ مگر اسلام تمام دنیا اور تمام استعدادوں کے لئے آیا اور قرآن کو تمام دنیا کی کامل اصلاح مدنظر تھی جن میں عوام بھی تھے اور خواص بھی تھے اور حکما اور فلاسفر بھی اس لئے انسانیت کے تمام قویٰ پر قرآن نے بحث کی اور یہ چاہا کہ انسان کی ساری قوتیں خدا تعالیٰ کی راہ میں فدا ہوں اور یہ اس لئے ہؤا کہ قرآن کا مدنظر انسان کی تمام استعدادیں تھیں اور ہر یک استعداد کی اصلاح منظور تھی اور اسی وجہ سے ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ٹھہرے کیونکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر وہ تمام کام پورا ہو گیا جو پہلے اس سے کسی نبی کے ہاتھ پر پورا نہیں ہؤا تھا۔ چونکہ قرآن کو نوع انسان کی تمام استعدادوں سے کام پڑتا تھا اور وہ دنیا کی عام اصلاح کیلئے نازل کیا گیا تھا اس لئے تمام اصلاح اس میں رکھی گئی اور اسی لئے قرآنی تعلیم کا دین اسلام کہلایا اور اسلام کا لقب کسی دوسرے دین کو نہ مل سکا۔ کیونکہ وہ تمام ادیان ناقص اور محدود تھے +

(ست بچن صفحہ ۱۴۵ تا ۱۵۰)

شانِ اسلام

اسلام سے نہ بھاگو راہِ ھدیٰ یہی ہے
اے سونے والو جاگو شمس الضحیٰ یہی ہے

مجھ کو قسم خدا کی جس نے ہمیں بنایا
اب آسماں کے نیچے دینِ خدا یہی ہے

سب خشک ہو گئے ہیں جتنے تھے باغ پہلے
ہر طرف میں نے دیکھا بُستاں ہرا یہی ہے

دنیا میں اس کا ثانی کوئی نہیں ہے شربت
پی لو تم اس کو یارو آبِ بقا یہی ہے

ملتی ہے بادشاہی اس دیں سے آسمانی
اے طالبانِ دولت ظلِّ ہما یہی ہے

تبرکات

جس گرامی نامہ کا عکس ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے وہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کا رقم فرمودہ ہے۔ حضور نے یہ مکتوب ۱۸ر مارچ ۱۹۱۰ء کو رقم فرمایا جبکہ آپ کی عمر ۲۱ برس تھی۔ قارئین خط کی آخری سطور پر خاص طور پر غور فرمائیں۔ نوجوانی کے عالم میں ایسے خیالات کا اظہار حضور کی غیر معمولی فطری پاکیزگی اور جبلی سعادت کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Qadian,
18th Mar 1910.

برادرم میاں عزیز اللہ صاحب

السلام علیکم۔ آپکا کارڈ ملا
میں آپکے لئے پہلے بھی دعا کرتا تھا اب بھی کرتا
ہوں خدا تعالیٰ آپکو کامیاب کرے۔ عزیزم
خواجہ عبدالرحمن کیلئے بھی کہدیں کہ انکے لئے بھی
دعا کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ آپ دونوں کو کامیاب
کرے۔ مگر یہیں نہیں بلکہ اگلے جہان میں بھی کیونکہ
یہ چند روزہ زندگی ہے آج نہیں تو کل رخصت ہو جانا
ہے اور سب سے ضروری کام اس کی تیاری ہے۔ خدا تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے
والسلام خاکسار
مرزا محمود احمد

قرآن مجید اور نظامِ کائنات

(۲)

سماءُ الدُّنیا اور زینتِ کواکب

(محترم شیخ عبد القادر صاحب لائلپوری۔ لاہور)

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے سات آسمان پیدا کئے اور سماءِ دنیا (ورلے آسمان) کو ستاروں سے زینت دی۔ علمِ ہیئت سے ثابت ہے کہ سارا جوِّ کائنات اور فضائے آسمانی ستاروں سے معمور ہے۔ پھر سماءِ دنیا کی کیا خصوصیت؟ اِس سوال کے جواب میں مَیں نے بہت غور کیا لیکن اِس معمّہ کا کوئی معقول حل ذہن میں نہیں آرہا تھا۔

۱۔ شاید "مصابیح" سے مراد شہابِ ثاقب ہوں جو کہ سمائے دنیا میں آکر شعلۂ فروزاں بن جاتے ہیں۔ لیکن دوسری جگہ "کواکب" کا لفظ ہے جس کے معنی ستاروں کے ہیں۔

۲۔ جو سماء میں ہم جو کچھ دیکھ پاتے ہیں وہ سب سمائے دنیا ہے لیکن حدیث میں آتا ہے کہ سورج فلک چہارم پر روشن ہے۔

۳۔ سمائے دنیا کی فضاء اتنی روشن اور صاف ہے کہ اس میں سے ہم آسمانی قندیلوں کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ باقی کرّوں کی فضاء اتنی صاف نہ ہو لیکن اِس دعویٰ کا ثبوت؟

غرضیکہ مختلف جوابات ذہن میں آئے لیکن پوری تسلی نہ ہوئی۔ یہ بات تو قرآن سے معلوم ہو گئی کہ ستارے اور آسمانی اجرام سماءِ دنیا میں ہی نہیں بلکہ سارے آسمانوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ میں اِسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی پتہ لگ گیا کہ سماءِ دنیا سارے ستاروں کی جگہ نہیں بلکہ زینتِ کواکب سے مزیّن ہے۔ ایک جگہ فرمایا:۔

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا (۴۱/۱۲)

کہ ہم نے نچلے آسمان کو روشنیوں کے ساتھ خوبصورت بنایا۔ اور علاوہ خوبصورت بنانے کے حفاظت کے لئے بھی اس میں سامان پیدا کیا۔

دوسری جگہ وضاحت کر دی کہ سماءِ دنیا زینتِ کواکب سے مزیّن ہے۔ فرمایا:۔

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ۔ (۳۷/۶)

ہم نے ورلے آسمان کو زینتِ کواکب کے ساتھ مزیّن کیا ہے۔

گویا ضروری نہیں کہ سب ستارے سماءِ دنیا میں ہوں۔ ہاں ستاروں کی زینت سماءِ دنیا کے آئینۂ فضا میں ضرور منعکس ہے جس کا ہم شب و روز نظارہ کرتے ہیں۔ لیکن کیا یہ نظارہ نظامِ شمسی کے دوسرے سیاروں سے ہم نہیں کر سکیں گے؟ اگر کر سکیں گے تو پھر سماءِ دنیا کی کیا خصوصیت ہے؟

انگلستان کے مایۂ ناز سائنسدان سر جیمس جینس (Sir James Jeans) کی کتاب —— Through Space and Time میرے پاس عرصہ سے موجود تھی۔ اس معمہ کے حل کے لئے میں نے سوچا کہ یہ کتاب بھی دیکھ لی جائے۔ میرا اندازہ صحیح تھا۔ اس کتاب میں مذکورہ سوال کا جواب موجود ہے۔ سر جیمس جینس اس کتاب میں رقمطراز ہیں:-

"زمین کو ہم نے کافی طور پر کرید کرید کر دیکھ لیا آؤ اب ہم اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائیں۔ ہم کو معلوم ہے کہ وہاں کیا نظر آئے گا۔ دن کے وقت آفتاب اور نیلا آسمان اور کہیں کہیں ابر کے ٹکڑے ہونگے تو رات کے وقت ستارے، چاند اور کچھ سیارے دکھائی دیں گے۔ ہم کو یہ تمام چیزیں اس روشنی کی مدد سے نظر آتی ہیں جو فضا سے گزر کر ہم تک پہنچتی ہے۔ یہ چیزیں ہم کو صاف صاف اس وجہ سے نظر آتی ہیں کہ فضا صاف و شفاف ہے اور روشنی کی شعاعیں اس میں سے بآسانی گزر جاتی ہیں ..... ہم اس فضا کی ٹھیک ٹھیک مقدار سے ناواقف نہیں ہیں اس لئے کہ آلۂ باد پیما ہم کو ہر وقت فضا کا دباؤ بتلاتا رہتا ہے ..... فضا کے وزن کا اندازہ کرنے کے لئے ہم کو تصور کرنا چاہیئے کہ گویا کسی نے پون انچ دبازت کے ۴۴ کمبل ہمارے اوپر لاد دیئے ہیں۔ اتنے کمبلوں کے نیچے دبے رہنے کے باوجود باہر کی چیزوں کو دیکھنے کی توقع ہی فضول ہے۔ لیکن کیا یہ اچنبے اور خوش قسمتی کی بات نہیں ہے کہ ہم اتنی ہی دبازت کی فضا میں باہر کی چیزیں دیکھ لیتے ہیں۔

اگر درحقیقت ایسا ہے تو سمجھئے کہ ہماری سی خوش بختی دوسرے سیاروں کو نصیب نہیں۔ جب ہم زمین سے دوسرے سیاروں کو دیکھتے ہیں تو انکے چاروں طرف ایک غیر شفاف فضا نظر آتی ہے جس کی وجہ سے ہم ان سیاروں کی سطح نہیں دیکھ سکتے۔ پس ہم کو پہلے سے معلوم ہونا چاہیئے کہ جب ہم ان سیاروں کا سفر کریں گے تو ان کی فضا میں سے ہم کو آسمان اور ستارے نظر نہ آئیں گے۔" (اردو ترجمہ سیر کائنات ص ۸۹-۹۰)

لیجئے سیرِ کائنات کی مدد سے ہم نے سیرِ قرآن بھی کر لی۔ اب زینتِ کواکب سے سماءِ دنیا کی تزئین کا مسئلہ حل ہو گیا۔ قرآن حکیم میں سماءِ دنیا کی پہلی خصوصیت تو یہ بتائی

گئی۔ کہ اس کی فضا اتنی صاف اور شفاف ہے کہ اس آئینہ میں ہم آسمانی قندیلوں کے مناظر سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں (جبکہ نظامِ شمسی کے دوسرے سیاروں میں یہ کیفیت نہیں پائی جاتی۔)

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس فضا میں گوناگوں حفاظت کے سامان ہیں۔ انہی حفاظتی سامانوں کے باعث سماءِ دنیا کو "سقفاً محفوظاً" کہا گیا یعنی محفوظ اور حفاظت کرنیوالی چھت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ سقفِ محفوظ ایک رُکی ہوئی موج ہے[2]۔ سائنسی تجربات سے معلوم ہوا ہے کہ فضائے دنیا میں بہت سے حفاظتی پرت ہیں جن میں شہابِ ثاقب اور ہلاکت انگیز کائناتی شعاعیں جذب ہو جاتی ہیں۔ انہی میں اوزون (Ozone) گیس کا ایک پرت ہے جو کہ ایک لطیف موج ہے لیکن اس میں نہایت درجہ طاقتور اور ہلاکت خیز کائناتی شعاعیں جذب ہو جاتی ہیں جس کے باعث ہم محفوظ ہیں۔ اس گیس کا کل وزن ایک بہت ہی باریک کاغذ کی تہ سے زیادہ نہیں جسکی دبازت ۱/۸ انچ کے قریب ہو۔ اتنی غیر معمولی طور پر قلیل مقدار اور اتنا عظیم الشان کام ؎

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

اسی طرح دوسری حفاظتی پرتوں کا علم ہوا ہے جنکی طرف علماء فطرت ہمیں توجہ دلاتے رہتے ہیں۔ اے کریسی ماریسن لکھتے ہیں:۔

"اگر یہ کرۂ ہوا کچھ زیادہ لطیف ہوتا تو وہ لاکھوں شہابِ ثاقب جو ہماری بیرونی فضا میں جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ انکی ایک مسلسل اور شدید بارش ہم پر ہوتی رہتی۔ یہ شہاب چھ سے لیکر چالیس میل فی سیکنڈ تک کی رفتار سے سفر کرتے ہیں اور ہر آتشگیر مادے کو بھڑکا دیتے ہیں۔ اگر یہ محض بندوق کی گولی جیسے کم رفتار ہوتے اور اسی رفتار سے زمین پر گرتے تو جو تباہی یہ پھیلاتے اُس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اور انسان تو کسی شہاب کے خرامِ ناز کی حرارت ہی سے پگھل کر رہ جاتا لیکن فضا اتنی زیادہ لطیف نہیں ہے بلکہ ایک حد تک کثیف ہے اور یہ کثافت اسی قدر ہے کہ سورج کی وہ شعاعیں جو کیمیائی تبدیلیاں پیدا کرتی ہیں اس میں سے گذر کر نباتات کی زندگی اور جراثیم کی ہلاکت کا سبب بنیں اور حیاتیات پیدا کریں اور انسان کے لئے اس وقت تک باعثِ ضرر نہ ہوں جب تک کہ وہ اپنے آپ کو بہت زیادہ دیر تک ان کے زیر اثر نہ رکھے۔"[1]

الغرض فضائے آسمانی میں گوناگوں حفاظت کے سامان موجود ہیں جن کا انکشاف قیامت تک ہوتا رہے گا۔

اس وضاحت کی روشنی میں

وزیّنّا السماء الدنیا بمصابیح
وحفظاً

پر غور کریں۔ سچ فرمایا ؎

وکل العلم فی القرآن لکن
تقاصر عنه افهام الرجال

---

1. Man does not Stand alone by A. Crassy Morrison
اردو ترجمہ "خدا ہمارے ساتھ ہے" ص ۳۵-۳۶

۲۔ حدیث میں ہے تم جانتے ہو بادلوں کے اُوپر کیا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی خوب واقف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ رقیع ہے اور یہ ایک محفوظ چھت اور رُکی ہوئی ایک موج ہے۔ (ترمذی)

رشید قیصرانی

فردوسِ آرزو!

نکھرا ترا خیال تو ارماں اُچھل پڑے
اُمڈا جو غم تو آنکھ سے موتی اُبل پڑے
ظلمت ہوئی تو یاد کے فانوس جل پڑے
تنگ آ گیا جہاں تو تری سمت چل پڑے
غمہائے روزگار ترے غم میں کھو گئے
طوفان تیری یاد کی شبنم میں کھو گئے

ہر رہگذر پہ ہم نے نگاہیں بکھیر دیں
ہر لحظہ انتظار کی باہیں کھلی رہیں
ہر گام پہ گماں تھا کہ تو ہے یہیں کہیں
نظریں ہر اک قدم پہ تجھے ڈھونڈتی رہیں
گلشن میں گُل کھِلے تو تجھے یاد کر لیا
بچھڑے ہوئے ملے تو تجھے یاد کر لیا

بادِ صبا چلی تو ترا ذکر آ گیا
چٹکی کوئی کلی تو ترا ذکر آ گیا
شامِ الم ڈھلی تو ترا ذکر آ گیا
شمع کوئی جلی تو ترا ذکر آ گیا
ہر درد کو ملی ہے دوا تیرے نام کی
ہر دم ہوئی قبول دُعا تیرے نام کی

قائم دلِ تپاں میں فقط تیرا نام ہے
اس بحرِ بےکراں میں فقط تیرا نام ہے
تفسیرِ "کُن فکاں" میں فقط تیرا نام ہے
اتنے بڑے جہاں میں فقط تیرا نام ہے
غم سے ملی [illegible] فقط تیرے نام سے
دُنیا کو ہے ثبات فقط تیرے نام سے

حضرت رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی

شفقت علیٰ خلق اللہ کے چند روح پرور واقعات!

(مکرم عبد الرب صاحب غیرت)

(۱) بازار سے ایک شخص بوجھ اٹھا کر گزر رہا ہے۔ گردن خمیدہ، پاؤں لرزاں، ہاتھوں کی جان نکلی ہوئی مگر مصیبت کا مارا قدم بڑھا رہا ہے کس قدر قابلِ رحم ہے کہ جو جسم خود اٹھائے جانے کے قابل نہیں وہ ایک بوجھ اٹھائے جا رہا ہے۔ ایک صاحب پاس سے گزرے، دیکھا کہ غریب سے چلا نہیں جاتا۔ بولے بھائی اب یہ بوجھ میرے سر پر رکھ دو اور تم آرام سے چلو۔ دونوں ہاتھوں سے بوجھ اٹھایا اور سر پر رکھ کر گھر تک پہنچا دیا۔ نہ تشکر کی خواہش، نہ صلہ اور انعام کی تمنا نہ تعارف کی حاجت۔ (زاد المعاد ابن قیم)

کیا آپ نے پہچانا کہ یہ کون صاحب تھے؟ یہ تھے حضرت رحمۃ للعالمین محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) ایک غریب نابینا عورت مکہ کی ایک گلی میں زمین پر پڑی ہے۔ جسم خون آلود ہے۔ اس کا اسباب پراگندہ پڑا ہے۔ اردگرد لونڈے اور اوباش کھڑے مذاق کر رہے ہیں۔ اتفاق سے ایک دردمند صاحب کا ادھر سے گزر ہوا۔ یہ دردناک منظر دیکھ کر اوباشوں کو نصیحت کی کہ خدا سے ڈرو مگر اوباشوں نے آپ ہی سے مذاق شروع کر دیا۔ یہ صاحب خاموش ہو گئے۔ ہاتھ پکڑ کر اندھی کو اٹھایا۔ اس کی ایک ایک چیز جمع کی اور سب سامان اپنے سر پر اٹھایا، اندھی کا ہاتھ پکڑا اور اس کے مکان تک پہنچایا۔ جب سامان اتار چکے تو فرمایا آج سے ماں بازار نہ جانا میں تمہارا سب کام روزانہ کر دیا کروں گا۔ (سیرت ابن ہشام)

یہ کون صاحب تھے جن کے دل میں سارے جہان کا درد بھرا ہوا تھا۔ جو کمزوروں کے لئے عصائے پیری اور مصیبت زدوں کے لئے پناہ گاہ تھے؟ یہ بھی رحمۃ للعالمین حضرت محمد عربی ہی تھے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) ایک شخص جا رہا ہے۔ راستہ میں ایک غلام کو چکی پیستے ہوئے دیکھا۔ وہ رو رہا تھا۔ آنسو بہتے ہوئے برداشت نہ ہو سکے۔ پوچھا کیوں روتے ہو؟ بولا میں بیمار ہوں مگر آقا جان لیوا ہے اور اور اس حالت میں بھی کام لے رہا ہے۔ اگر وقت مقررہ پر آٹا تیار نہ ہوا تو وہ مجھے زدوکوب کرنے میں تامل نہ کرے گا۔ یہ سنتے ہی ادھر وہ غلام کے پاس

بیٹھ گیا اور چکی پیسنے لگا یہاں تک کہ اناج ختم ہو گیا۔ نحیف و نزار غلام نے حسرت کے ساتھ راہرو پر نظر ڈالی اور بولا۔ کاش میرے آقا تم ہوتے۔ راہرو نے چلتے ہوئے جواب دیا۔ بھائی جب کبھی تمہیں میری ضرورت ہو بلا لیا کرو۔ (البدایہ والنہایہ لابن اثیر جزری)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ راہرو، مظلوم کا ہمدرد اور کمزور کا ساتھی کون تھا؟ رحمتِ عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۴) ایک بوڑھا غلام مدینہ کے ایک باغ کو سیراب کر رہا ہے مگر اس قدر نحیف ہے کہ ہاتھ کانپ رہے ہیں۔ ایک شخص پاس سے گزرا۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں پر نظر پڑی۔ کنوئیں پر آیا اور بوڑھے سے کہا۔ میں تمہاری امداد کے لئے آیا ہوں اور جب کبھی ضرورت ہو مجھے بلا لینا۔ یہ کہہ کر یہ شخص باغ کو سیراب کرنے لگ گیا۔ ڈول پر ڈول کھینچے۔ جب دیکھا کہ باغ سیراب ہو گیا ہے پوچھا یہ کس کا باغ ہے؟ جواب ملا ایک یہودی کا۔ (تاریخ طبری)

بھلا بتایئے یہ بوڑھوں، ناتوانوں اور کمزوروں کا غمخوار کون ہے؟ یہ ہیں مخبرِ موجودات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

(۵) یہ اس وقت کا ذکر ہے کہ ابوسفیان ابھی ایمان نہیں لائے تھے ان کا غلام بیمار پڑا غریب کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا کیونکہ غلام تھا۔ ایک شخص کو اطلاع ہوئی کہ فلاں شخص بیمار ہے نہ رہا گیا عیادت کیلئے چل کھڑے ہوئے۔ گھر پہ پہنچے خندہ پیشانی کیساتھ ترحمانہ انداز میں بیمار پرسی کی اور بیٹھ گئے۔ ایک گھنٹہ دو گھنٹہ آدھی رات، نہیں بلکہ تمام رات بیٹھے بیٹھے گزار دی۔ دلاسا دیتے رہے رات بھر کہتے رہے لا تخف گھبراؤ نہیں جلد شفا ہو جائیگی۔ کیسے مبارک تھے یہ غلام جنہوں نے ایسا تیماردار پایا۔ (ابن جریر طبری)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ ایک غلام کی خاطر رات بھر کی نیند قربان کرنے والا کون ہے؟ یہ ہیں سید البشر، سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۶) یہ تو مظلوم انسانوں کی داستانیں تھیں اب مظلوم حیوانات کی داستان بھی سن لیجئے۔ ایک اونٹ بیٹھا ہے جو بھوک سے نڈھال ہو رہا ہے۔ ایک صاحب کی نظر پڑی اور بے تاب ہو گئے۔ آخر اونٹ میں بھی تو جان ہے۔ بھوک میں اسے کیسی تکلیف ہوتی ہو گی۔ اونٹ کے مالک کا پتہ معلوم کیا۔ اس کے گھر پہ گئے۔ مالک سے ملے اور فرمایا اپنے جانوروں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو۔ بھوکے اونٹ کی خبر لو۔ عجب نہیں تم پہ عذاب نازل ہو۔ جاؤ اور اونٹ کو چارہ کھلا۔ وہ شخص کس طرح پیٹ بھر کر آسودہ سوتا ہے جو اپنے جانوروں کو کچھ نہیں دیتا۔ (طبرانی)

پہچانا آپ نے یہ صاحب کون تھے جن کی رحمت و شفقت سے جانور بھی محروم نہیں تھے؟ رحمۃ للعٰلمین جو تمام جہانوں اور اُن کی مخلوقات کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجے گئے۔ صلی اللہ علیہ وسلم +

نئے دَور کی عنایات

(جناب شیخ عبد القادر صاحب)

سینما

آذرِ مشرق کے بُت خاموش تھے اور بے نوا
آذرِ مغرب نے اِس فن کو عطا کی ہے جِلا
وہ تھے محرومِ تکلّم ۔ یہ ہیں مصروفِ کلام
عار تھی حرکت سے اُن کو یہ ہیں حرکت پر فدا

ریڈیو

اِک زمانہ تھا کہ جب کُوچہ بکُوچہ کُو بکُو
صبحدم سُنتے تھے ہر جانب صدائے "اللہ ہُو"
اب جو جاگیں تو عجب نیرنگیٔ ماحول ہے
ہے بجائے "اللہ ہُو" یاں نغمہ پیرا ریڈیو

ٹیلی ویژن

دُور و نزدیک کا اب فرق مٹا جاتا ہے
اِک تماشا ہے کہ دُنیا میں ہُوا جاتا ہے
پہلے آواز کو عالم میں اُڑایا تُو نے
اب ترے عکس کا پرچم بھی اُڑا جاتا ہے

ایٹم بم

کھول کر دیکھ گرہ ذرّے کے دِل کی ہمدم
ایک محصُور تلاطم سا نظر آتا ہے
ہو اگر گردشِ پیہم کی یہ طاقت آزاد
بن کے اِک حشر زمانے پہ چھا جاتا ہے

اسلام اور مذہبی رواداری

(بشیر احمد صاحب اختر جامعہ احمدیہ ربوہ)

مذہبی رواداری اور آزادیٔ ضمیر کے بارہ میں اسلام کی پیش کردہ تعلیم ایسی شاندار، پُر حکمت اور اعلیٰ ہے کہ دیگر تمام مذاہب اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اسلام کا موقف شروع سے یہی رہا ہے کہ مذہب کے معاملہ میں ہر شخص آزاد ہے اور اسے ضمیر کی آزادی حاصل ہے۔ اسلام کسی کو ہرگز مجبور نہیں کرتا کہ اسلامی حکومت کے ماتحت رہتے ہوئے وہ ضرور اسلام کو قبول کرے ورنہ اسے ملک بدر کر دیا جائے گا یا اس کا سر تن سے جدا کر دیا جائے گا۔ بلکہ اس کے بالمقابل دربارِ خداوندی سے یہ خوش آئند مژدہ سنایا جاتا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ ع ۳۴) کہ اے بنی نوع انسان! تمہیں خوشخبری ہو کہ وہ زمانہ گزر گیا جب جبراً مذہب میں داخل کیا جاتا تھا —— اب اسلام آگیا ہے، اب تمہیں دین کے معاملہ میں کھلی آزادی ہے کوئی جبر تم پر نہیں کیا جائے گا، جو راستہ چاہو اختیار کر لو —— اس کی حکمت اور وجہ یہ بتائی کہ حق اور باطل (فرق واضح ہو چکا ہے اور عقیدہ کی بنیاد دلیل پر رکھی گئی ہے اس لئے اب جبر روا رکھنا جائز نہیں۔

صرف یہی ایک آیت نہیں بلکہ قرآن کریم کی بیشمار (آیات) پیش کی جا سکتی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے کامل مذہبی آزادی دی ہے۔ مثلاً فرماتا ہے:۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ
اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا
(مزمل ع ۱)

یعنی یہ نصیحت کی باتیں ہیں جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے

اسی مضمون کو ایک دوسری آیت میں یوں فرماتا ہے:۔

كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ
ذَكَرَهٗ (المدثر ع ۲)

پھر ایک اور مقام پر اس مضمون کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:۔

قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ
فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ
(کہف ع ۴)

کہ یہ قرآن کریم تمہارے رب کی طرف سے حق ہے (اور چونکہ حق دلیل پر مبنی ہوتا ہے) اس لئے (اس کے اختیار کرنے میں کسی کو مجبور نہیں کیا جائے گا) جس کا جی چاہے اس کو قبول کرے اور جو چاہے اس کا انکار کر دے۔

پھر فرمایا:۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ (یونس ع)

اے پیغمبر! ان لوگوں کو کہہ دے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ہے۔ پس جو راہ راست اختیار کرے وہ اپنے فائدہ کے لئے اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ ہو جائے اُس کا وبال اُسی پر پڑیگا اور میں تم پر کارساز بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

اسلام کی تعلیمات صرف نظریات تک محدود نہیں بلکہ اُن پر ہر زمانہ میں عمل کیا جاتا رہا ہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عہدِ زریں اور پھر بعد کی اسلامی تاریخ میں غیر مسلموں کے ساتھ اس رواداری اور مذہبی آزادی کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد یہود سے جو پہلا معاہدہ کیا اُس کی بنیاد ہی مذہبی رواداری تھی۔ اسلام مذہبی تعصبات کے باوجود ترکِ موالات سے منع نہیں کرتا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کئی ایک قبائل سے معاہدات کرنا ثابت ہے اور آپ نے بڑی عمدگی کے ساتھ ان کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔

مذہبی رواداری کی ایک زبردست مثال وہ واقعہ ہے جو یمن کے عیسائی وفد کے ساتھ پیش آیا۔ یہ وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض امور پر گفتگو کے لئے مدینہ آیا تھا۔ مسجد میں ہی اُن سے گفتگو ہوتی رہی اور جب انہوں نے اپنی عبادات بجا لانے کے لئے مہلت چاہی تاکہ الگ جا کر عبادت کر سکیں تو حضور نے انہیں فرمایا کہ یہ بھی خدا کا گھر ہے اور عبادت ہی کے لئے بنایا گیا ہے۔ باہر جانے کی ضرورت نہیں۔ یہیں مسجد کے ایک کونہ میں اپنے طریق پر عبادت کر لو۔ چنانچہ انہوں نے مسجد میں ہی اپنے طریق پر عبادت کر لی۔

عہدِ نبوی کے بعد خلفائے راشدین کا دَور آتا ہے۔ اِن پاک وجودوں نے بھی اپنے محبوب آقا کی اتباع اور تقلید میں غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک اور مذہبی رواداری کا ایسا شاندار نمونہ پیش کیا کہ غیر مذاہب کی تاریخیں اس کی ہرگز نظیر نہیں پیش کر سکتیں۔

حضرت ابو بکرؓ کا زریں دَور ہے۔ جب کبھی لشکر کو کسی مہم پر روانہ فرماتے ہیں تو امیرِ قافلہ کو یہی وصیت کی جاتی ہے کہ دیکھنا غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور اُن کے بزرگوں کا احترام ضرور ملحوظ رکھنا۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کا دَور آتا ہے جب ایک طرح سے باقاعدہ اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ آپ بھی اپنے آقا کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے رواداری کا ایسا عمدہ مظاہرہ فرماتے ہیں کہ خود غیر مسلم محققین تک بھی اس کے معترف ہیں۔ آپ نے اپنی حکومت میں ہر قسم کی مذہبی آزادی دے رکھی تھی۔ کئی ایک غیر مسلم اسلامی حکومت کے عہدوں پر فائز تھے اور آپ نے انہیں ہر قسم کی مراعات دے رکھی تھیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کا آپ کو اس قدر خیال رہتا کہ ایک مرتبہ عیسائیوں

کا ایک وفد آپ کے پاس آیا تو آپ نے اُن سے خاص طور پر دریافت فرمایا کہ تمہارے علاقہ میں مسلمان تمہیں حاکم ہونے کے سبب سے ستاتے تو نہیں؟ انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیا ــــ "شریفانہ اخلاق کے سوا ہم نے مسلمانوں سے کچھ نہیں پایا۔"

یہ انہی اخلاقِ حسنہ اور آپ کی مذہبی رواداری کا نتیجہ تھا کہ جب بیت المقدس کی فتح کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی غرض سے آپ نے شام کا سفر اختیار کیا تو راستہ میں ایک علاقہ کے عیسائی خوشی اور مسرت سے باجے بجاتے ہوئے آپ کے استقبال کے لئے نکل آئے اور آپ پر پھولوں کی بارش کر کے اپنے دلی جذبات تشکر کا اظہار کیا۔ آپ کے عہدِ حکومت کا حسب ذیل واقعہ تو سنہری حروف میں لکھے جانے کے قابل ہے۔

مسلمانوں نے جب حمص پر قبضہ کر لیا جو رومیوں کے علاقہ میں تھا تو کچھ عرصہ کے بعد مسلمانوں کو دوبارہ دشمن کے حملہ کا خطرہ پیدا ہوا اور حالات کے پیش نظر انہوں نے مناسب سمجھا کہ حمص کو خالی کر دیا جائے۔ اس فیصلہ کے بعد مسلمانوں نے عیسائیوں کو بلایا اور کہا کہ ہم آپ سے جزیہ وصول کر چکے ہیں اور یہ جزیہ اس شرط کے ماتحت لیا گیا تھا کہ ہم آپ کے مال و جان کی حفاظت کریں گے اب چونکہ ہمارے لئے ایک نازک صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے اور یہاں سے جانے کے سبب ہم آپ کی حفاظت نہیں کر سکیں گے اس لئے جزیہ کی رقم آپ کو واپس کی جاتی ہے چنانچہ کئی لاکھ روپیہ جو عیسائیوں سے جزیہ کے طور پر لیا گیا تھا انہیں واپس لوٹا دیا گیا۔ اس اعلیٰ نمونہ کا اثر یہ اتنا ہوا کہ جب اسلامی لشکر وہاں سے رخصت ہوا تو شہر کے عیسائی باشندے ساتھ ساتھ روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا تم کو دوبارہ ہم میں واپس لائے اور یہودی بھی کہتے تھے کہ تورات کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حمص پر قبضہ نہیں کر سکے گا۔

غیر مسلموں سے رواداری کے متعلق معیشی ایک غیر مسلم مصنف اپنی کتاب "تاریخ جنگ صلیبی" میں لکھتا ہے:۔

> "احکام قرآنی جو مذہب کے مقابل میں تلوار سے لڑنا سکھاتے ہیں حملۂ دین کی نہایت رواداری رکھتے ہیں۔ جس وقت حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کیا تو عیسائیوں کو مطلق نہیں ستایا۔ برخلاف اس کے جب صلیبیوں نے اسی شہر مقدس پر قبضہ کیا تو انہوں نے نہایت بے رحمی کے ساتھ مسلمان شہریوں کا قتل عام کیا۔"

غرض اپنے تو اپنے بیگانے بھی (اور بیگانے بھی وہ جو اسلام کے سخت مخالف ہیں) رواداری کے اس بے نظیر نمونے پر عش عش کر اُٹھتے ہیں۔

مذہبی رواداری کے یہ نمونے خلفائے راشدین پر ہی ختم نہیں ہو جاتے بلکہ ان کا سلسلہ آگے بھی چلتا چلا جاتا ہے ــــ چنانچہ اورنگ زیب کے زمانہ میں بھی مذہبی رواداری کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ اس کا اعتراف الیگزنڈر ڈاوان "ہسٹری آف انڈیا" میں ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"ترقی دین کے جوش میں اورنگ زیب نے نومسلموں کے ساتھ بے شک کھلے دل سے فیاضی کی مگر اس نے غیر مذاہب کے لوگوں پر مذہبی باتوں میں سختیاں نہیں کیں۔" (جلد ۳ صفحہ ۳۶۱)

مذہبی رواداری کے بارہ میں اسلام نے تو نہایت شاندار تعلیم دی تھی مگر آج کے بعض مسلمان کہلانے والے اس کی حقیقی روح کو نہیں سمجھ رہے اور یہ کہنے لگ گئے ہیں کہ نعوذ باللہ اسلام جبر و تشدد اور تلوار کے زور سے ہی پھیل سکتا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں نے عقیدہ کی تبدیلی کی سزا قتل کر دینا قرار دیدی حالانکہ اسلامی تعلیمات اور ہماری روایات محض عقاید کے بارہ میں اس قسم کے جبر و تشدد کی ہرگز اجازت نہیں دیتیں +

دینی، قومی اور ملّی مفاد کی خاطر

مال کی قربانی

خدام الاحمدیہ کے رواں مالی سال کے پانچ ماہ گزر چکے ہیں۔ مجالس کی طرف سے مرکز میں ہونے والی وصولیوں کا جائزہ لینے پر پتہ چلا ہے کہ بہت سی مجالس ایسی ہیں جنہوں نے پانچ مہینوں میں ایک پیسہ بھی چندہ نہیں بھجوایا۔ اسی طرح ایسی مجالس کی تعداد بھی کافی ہے جن کی طرف سے وصول ہونیوالی رقوم اتنی قلیل ہیں کہ اگر وہ اسی سست رفتار سے وصولی کرتے رہے تو سال کے آخر میں کسی صورت میں اپنا بجٹ پورا نہیں کر سکیں گی۔

خاکسار تمام ایسی مجالس سے جنہوں نے شعبہ مال میں ابھی تک کوئی کام نہیں کیا یا اگر کیا ہے تو بہت کم۔ درخواست کرتا ہے کہ وہ دینی۔ قومی اور ملّی مفاد کی خاطر مال کی قربانی کے عہد کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھیں اور خدا نہ کرے کہ کبھی وہ اس عہد کو فراموش کر کے دین۔ قوم اور ملّت کے لئے کسی نقصان کا باعث بنیں +

(مہتمم مال)

کیا گورے کالوں سے افضل ہیں؟

(میجر ڈاکٹر شاہ نواز خان صاحب۔ ربوہ)

نہ جانے انسان کی جلد کی بیرونی تہوں کی رنگت کو کیوں اس قدر اہمیت دی جاتی ہے کہ یہ دنیا کی کئی اقوام کے لئے موت زلیست کا سوال بنا ہوا ہے۔ باقی دنیا کو تو جانے دیجئے خود ہمارے ہاں بھی یہ رنگتوں کا فرق بسا اوقات ایک اہم مسئلہ کی شکل اختیار کر جاتا ہے خصوصاً رشتہ ناطہ کے مواقع پر تو بعض دفعہ محض اسی وجہ سے کئی الجھنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی گورا رنگ رکھنے والے کالوں سے افضل ہیں؟ اس مقالہ کے فاضل مصنف نے نے جو ایک عرصہ تک یورپ اور افریقی ممالک میں مقیم رہ چکے ہیں اپنے وسیع تجربات و مشاہدات کی روشنی میں اس سوال کا نہایت دلچسپ پیرایہ میں تجزیہ کیا ہے تاہم یہ ضروری نہیں کہ ادارہ مضمون نگار کی ہر بات سے متفق ہو۔ (ادارہ)

اسلام وہ واحد دین ہے جس کی بنیادی تعلیمات میں یہ امر بالوضاحت بیان کیا گیا ہے کہ بنی نوع انسان میں رنگ و نسل کے باعث کوئی تفوق نہیں۔ اور قومی و ملکی تفاخر کچھ حیثیت نہیں رکھتے۔ مگر افسوس کہ لوگ مساوات کی اس اعلیٰ تعلیم کو پورے طور پر مدّنظر نہیں رکھ رہے اور ان میں گورے رنگ اور گوری نسل کی کالے رنگ اور کالی نسل پر فضیلت کا احساس ابھی تک پایا جاتا ہے حالانکہ اسلام نے واشگاف طور پر یہ حقیقت واضح کر دی تھی کہ اصل برتری اور بڑائی نیکی اور تقویٰ میں ہی ہے۔ (اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ) میرے نزدیک رنگوں میں درجہ بندی کے اس غلط احساس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں:۔

۱۔ احساسِ کمتری۔ صدیوں سے سیاہ فام اقوام یورپ کی گوری اقوام کے تابع رہی ہیں اور النّاس علیٰ دینِ مُلوکِھم کے تحت غیر شعوری طور پر اُن میں یہ احساسِ کمتری غالب آتا رہا کہ گوری چمڑی رکھنے والے انسان افضل ہوتے ہیں (دلچسپ بات یہ ہے کہ جہاں ہماری مشرقی عورتوں کو رنگ سفید کرنے کا خبط ہوتا ہے وہاں یورپین عورتیں بڑی کوشش سے اپنا رنگ کسی قدر سانولا سا (Tan) کرنا پسند کرتی ہیں اور اس غرض سے گھنٹوں ننگے بدن دھوپ میں پڑی رہتی ہیں)۔

۲۔ صفائی کا احساس۔ سفید شے کو دیکھ کر طبعاً صفائی اور نظافت کا احساس ہوتا ہے اور سیاہ رنگ کی چیز کو دیکھ کر اس میں گندا اور میل کا احساس ہوتا ہے خواہ وہ حقیقتاً ایسی نہ ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ گورے لوگ اپنے مخفی احساسِ برتری کے باعث جسمانی صفائی سے لاپرواہی برتتے ہوں اور اس طرح اپنے اُن کالے بھائیوں

سے زیادہ گندے ہوں جو احساسِ کمتری کی وجہ سے جسمانی صفائی کی طرف زیادہ دھیان دیتے ہوں۔ افریقہ کی اکثر اقوام کالی ہیں اور ادنیٰ تمدن اور غربت کے باعث جسمانی صفائی کا چنداں اہتمام نہیں کرتیں اس لئے بھی سیاہ رنگ والے کو دیکھ کر یہ مخفی احساس نمایاں ہو جاتا ہے کہ یہ ادنیٰ تمدن اور گندے ماحول سے تعلق رکھتا ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ سیاہ رنگ کئی لحاظ سے سفید سے بہتر اور مفید ہے۔

صرف رنگ ہی حسن کا معیار نہیں ہے

حُسن کا مدار صرف رنگ پر ہی نہیں بلکہ موزوں خدوخال، تیکھے نقوش، گول چہرہ، سڈول جسم، چال، گفتار، صحت وغیرہ بیسیوں امور پر ہے۔ مگر اس کے باوجود ہمارے معاشرہ میں یہ مرض پھیل رہا ہے کہ حسن کا معیار صرف گورے رنگ کو سمجھا جاتا ہے اور محض اس معیار پر پورا نہ اتر سکنے کے باعث کئی نہایت شریف اور معزز گھرانوں کی لڑکیاں ناطہ میں رد کر دی جاتی ہیں جو بعض دفعہ بہت زیادہ نیک متقی اور تعلیم یافتہ بھی ہوتی ہیں۔ پس ضروری ہے کہ اس احساس کو ختم کیا جائے۔ کیونکہ رنگ تو صرف ایک سطحی شے ہے جو صرف جلد کے اوپر ہی ہوتا ہے۔

افریقن لوگوں میں بھی خصوصاً ان کی نوجوان عورتوں میں آجکل یہ احساس ترقی پر ہے کہ گورا رنگ ہی افضل ہے اس لئے وہ آئے دن ایسے کیمیکل، مرہموں اور ادویہ کی تلاش میں رہتی ہیں جن سے جلد کو گورا بنایا جا سکے۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ ایک قسم کا جنون ہے۔ کیونکہ گرم علاقوں میں رہنے والوں کا اپنی جلد کی قدرتی رنگت کو اُڑانے کی کوشش کرنا سخت نادانی ہے اور ہر لحاظ سے مُضر بھی۔

پیدائش کے وقت ہر بچہ یکساں رنگ رکھتا ہے

اللہ تعالیٰ ہر انسان کو خواہ وہ مشرقی ہو یا مغربی، گوری نسل کا ہو یا کالا۔ بھورا ہو یا زرد (چینی) سب کو ایک رنگ دے کر پیدا کرتا ہے۔ یعنی ہر بچہ پیدائش کے وقت گورا ہی ہوتا ہے (بغیر کسی خاص رنگ کے ـــــ کیونکہ رنگ والے دانے (PIGMENTS) انسانی جسم میں بعد ازاں پیدا ہوتے ہیں) اس کے بعد آب و ہوا اور ماحول کے اثرات کے ماتحت وہ زرد، بھورا، سُرخ یا سیاہ ہو جاتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ جلد کا رنگ موروثی نہیں بلکہ بہت حد تک ماحول کے اثرات کا نتیجہ ہے۔

آب و ہوا کا اثر

ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ کے انتہائی شمال کے یخ بستہ اور سخت سرد علاقوں کے باشندے بہت زیادہ گورے ہوتے ہیں (مثلاً فن لینڈ۔ ناروے۔ سویڈن۔ ڈنمارک وغیرہ) اس کے بعد نسبتاً کم سرد علاقہ ہے یعنی وسطی یورپ کے ممالک (جرمنی، آسٹریا، سوئٹزرلینڈ، شمالی فرانس وغیرہ) ان کے باشندوں کا رنگ گورا ہے۔ اس کے نیچے جنوبی یورپ ہے جہاں بحیرۂ روم کی آب و ہوا کا اثر ہے۔ ان کا رنگ گندم گوں اور قدرے سانولا سا ہو جاتا ہے جیسے جنوبی فرانس، سپین، اٹلی، یونان وغیرہ۔ اور یہی حال دوسری جانب شمالی افریقہ کی عرب آبادی کا ہے۔ برِ عظیم

ہندو پاکستان میں بھی شمالی سرد علاقہ کے لوگ (کشمیری، پٹھان) گورے رنگ کے ہیں مگر وسطی اور جنوبی ہند کے گرم علاقوں (یوپی، بنگال، بہار، مدراس وغیرہ) کے لوگ سانولے اور سیاہ رنگ کے ہیں۔

سرد علاقوں کے لوگ اپنا اصل رنگ کھو بیٹھتے ہیں

ایک جرمن ماہر ارتقائے نسل انسانی (ANTHROPOLOGIST) رچرڈ فیٹر کی رائے ہے کہ "یورپین سفید اقوام بھی دراصل پرانی ابتدائی (سیاہ فام ایشیائی) نسل انسانی کا ہی حصہ ہیں۔ جو نوے ہزار قبل مسیح یورپ کی طرف ہجرت کر کے آباد ہوگئیں اور اتفاقاً وہاں کے دور ثلج (ICE-AGE) میں پچاس ہزار سال تک مقید رہے۔ اس سرد آب و ہوا کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی جلد کے رنگدار دانے (PIGMENTS) سکڑ گئے۔ آنکھوں اور بالوں کی سیاہی بھی پھیکی پڑ گئی۔ وہ اکثر سردی کے خوف سے غاروں کے اندر ہی بسر اوقات کرتے تھے جس کی وجہ سے انکی جلد کا وہ رنگ (Pigments) جو اُن کو قدرت نے گرم علاقوں میں اعصاب کی حفاظت کیلئے دیا تھا بے کار ہوگیا۔ کیونکہ ان برفانی علاقوں میں گرم ایشیا کے سورج کی تمازت مفقود تھی۔"

رنگ کی حکمت

واضح ہو کہ قدرت کا یہ حکیمانہ و رحیمانہ انتظام ہے کہ وہ ہر بچے کی ولادت سے قبل اس کی جلد کے نیچے بعض ایسے دانے رکھ دیتی ہے جو بطور Nucleus (ابتدائی ذرات) کے ہوتے ہیں تا عند الضرورت وہ دانے پھیل کر جلد کو اپنی سیاہی سے ڈھانپ لیں اور جسم کے اعصاب کو گرمی سے نقصان نہ ہو اور آنکھ کو بھی منطقہ حارہ کی تیز دھوپ سے ضرر نہ پہنچے۔ گرم علاقوں میں سورج کی روشنی میں بعض قسم کی شعاعیں (مثلاً INFRA-RED اور ULTRA-VIOLET) زیادہ ہوتی ہیں جو سخت مضر بلکہ مہلک ہو سکتی ہیں۔ پس ضروری تھا کہ ان کو فلٹر کرنے کیلئے جلد کے نیچے کوئی حفاظتی دیوار ہوتی جو ماحول سے مناسبت کے اصول کے ماتحت "بقائے اصلح" (SURVIVAL OF THE FITTEST) کے لئے ضروری تھا۔

عرب کے رہنے والے کیوں سفید ہیں؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ عرب لوگ اتنے گرم ممالک میں رہنے کے باوجود کیوں کالے یا بھورے نہ ہوگئے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب لوگ جو سفید فام نسل سے تعلق رکھتے ہیں اپنے جسم کو خوب ڈھانپ کر رکھنے کے عادی رہے ہیں جس نے اُن کی جلد، بال اور آنکھوں کو سورج کی مضر شعاعوں سے محفوظ رکھا۔ لہٰذا ان کا اصل نسلی رنگ قائم رہا (واللہ اعلم) اس نظریہ کی تصدیق اس طرح بھی ہوتی ہے کہ اس کے برخلاف یورپین گورے جب افریقہ کے گرم علاقوں میں جاتے ہیں تو وہ وہاں جا کر بھورے رنگ کے ہو جاتے ہیں خصوصاً گردن، چہرہ، بازو وغیرہ جو برہنہ رکھے جاتے ہیں۔ اسی طرح سمندر کے کنارے جو لوگ غسل آفتابی (SUN BATH) لیتے ہیں وہ بھی TAN ہو جاتے ہیں۔

یورپ کے لوگ بھی ابتدائی غیر متمدن حالت میں آج سے دو ہزار سال قبل افریقن کی طرح برہنہ تھے اور اگر وہاں کی آب و ہوا بھی افریقہ کی طرح گرم ہوتی تو وہ بھی آج یقیناً ویسے ہی سیاہ فام ہوتے جیسے افریقن ہیں پھر افریقن بھی ایک جیسے کالے نہیں ہیں۔ وہاں بھی آب و ہوا کے مطابق اُن کی سیاہ رنگت میں فرق ہے پھر جسم کے مختلف حصوں کی رنگت میں بھی نمایاں اختلاف ہے۔ مثلاً جسم کے وہ حصے جو برہنہ رہتے ہیں (چہرہ، ہاتھ، پاؤں وغیرہ) زیادہ سیاہ ہیں بہ نسبت اُن حصوں کے جو بالعموم کپڑوں سے ڈھکے رہتے ہیں (سینہ، پیٹ، سرین وغیرہ) اگر افریقن بھی عربوں کی طرح جسم کو بخوبی ڈھانپ کر رکھتے (عمامہ، جبہ وغیرہ سے) تو وہ بھی گورے رہ سکتے تھے۔ اب بھی موقع ہے اگر افریقن مستورات چاہتی ہیں کہ اُن کا رنگ پھر گورا ہو جائے تو اُن کو چاہیئے کہ وہ اپنے جسم کو ڈھانپ کر رکھیں اور پردہ شروع کر دیں۔ شاید کچھ نسلوں کے بعد اُن کا رنگ کچھ صاف ہونا شروع ہو جائے۔

امریکہ کے رنگدار باشندے بھی اصل میں افریقہ کے ہی سیاہ فام آباء کی اولاد ہیں جو جنگِ آزادی کے لئے یا زرعی فارموں پر مزدوری کے لئے بھرتی کئے گئے تھے۔ چونکہ امریکہ نسبتاً ٹھنڈا ملک ہے اس لئے اُن کا رنگ اپنے افریقن بھائیوں سے کافی پھیکا پڑ گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایک ہزار سال بعد اُن کی اولادیں بھی گوری ہو جائیں کیونکہ ٹھنڈی آب و ہوا کا اثر نسلاً بعد نسلٍ ان پر پڑے گا۔

سیاہ رنگ کے فوائد

جیسا کہ عرض کر چکا ہوں جلد کی سیاہ رنگت، بالوں کا سیاہ ہونا اور اسی طرح آنکھ کی پتلی کا سیاہ ہونا یہ سب قدرت کا حکیمانہ و رحیمانہ حفاظتی انتظام ہے جو گرم علاقوں میں رہنے والوں کے لئے ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں میں "یہ رنگ" پھیکا ہو یا بالکل نہ ہو وہ منطقہ حارہ کی گرمی برداشت نہیں کر سکتے اور اُن پر آسانی سے ضربۃ الشمس (HEAT STROKE) کا حملہ ہو جاتا ہے اور بینائی بھی خراب ہو جاتی ہے۔ وہ اکثر سیاہ چشمے لگانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ سرد برفانی علاقوں میں بھی اُن کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ بلکہ بعض دفعہ تو آنکھ کی بینائی تک جاتی رہتی ہے (SNOW BUNDNESS) پس سیاہ رنگ کی فضیلت اور اہمیت واضح ہے۔

سیاہ ابرو

آنکھوں کی حفاظت کے لئے سیاہ ابرو بہت مفید ہیں۔ کیونکہ وہ زائد تیز روشنی کو جذب کر کے بینائی کو تیز کرنے میں ممد ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کالوں کی نظر عموماً سفید فام سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ اور اسی حکمت کے ماتحت قدرت کا یہ رحیمانہ انتظام ہے کہ شدید بڑھاپے میں بھی جب کہ سر اور داڑھی سفید ہو چکے ہوتے ہیں ابرو کے بال نسبتاً سیاہ ہوتے ہیں۔ اس سے خضاب کی حکمت بھی واضح ہو جاتی ہے جو بینائی کو درست رکھنے میں ممد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ قدرت عورتوں کے بعض نازک اعضاء کی حفاظت بھی (خصوصاً ایام حمل میں) ان سیاہ رنگ

کے دانوں (PIGMENTS) سے ہی کرتی ہے۔ اور اس طرح ان ایام میں گوری عورتوں کو بھی کسی قدر کالا کر کے ایک طرح کی مساوات قائم کر دی جاتی ہے۔

قدرت کو سیاہ رنگ سے مناسبت ہے

ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ قدرت کو سیاہ بھورے اور سانولے رنگ سے مناسبت ہے۔ مثلاً انسانی معدہ براؤن خوراک کو جلد ہضم کر لیتا ہے۔ براؤن روٹی سفید روٹی سے زیادہ مقوی اور زود ہضم ہوتی ہے۔ براؤن چینی (شکر گڑ) سفید چینی سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔ سیاہ توت سفید کی نسبت زیادہ مفید ہوتا ہے۔ بلکہ سفید توت کے مضر اثرات کا مصلح ہے۔ غالباً یہی حال شہد کا بھی ہے۔

سر پر اگر گھنے سیاہ بال ہوں تو ہلکے براؤن سنہری یا سفید بالوں کی نسبت بہت زیادہ حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ یہی حال آنکھ کا ہے۔ سیاہ پتلی براؤن یا نیلی کی نسبت زیادہ مفید ہے۔ اکثر پھل جب پک جائیں تو وہ سبز یا زرد رنگ کے بعد براؤن ہو جاتے ہیں جو بلوغت اور پختگی کی علامت ہے۔

تلافی نقائص کا اصول

قدرت کا تلافی نقائص کا اصول بھی اکثر ہمارے مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔ مثلاً بصارت سے محروم اشخاص کے بقیہ قویٰ اور حواس (حافظہ۔ شامہ۔ لامسہ۔ وغیرہ) نمایاں طور پر بہتر ہوں گے۔ یا اگر صورت اتنی اچھی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے آواز غیر معمولی طور پر عمدہ عطاء کی ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ اسی طرح کیا عجب کہ سیاہ رنگ کے ظاہری "عیب" کے پیچھے کتنی ہی مخفی خوبیاں موجود ہوں۔ اور یہ بات تو اکثر نوٹ کی جاتی ہیں کہ سیاہ رنگ والوں کے نقش نسبتاً بہتر ہوتے ہیں اور ان میں ایک خاص قسم کی کشش اور جاذبیت سی محسوس ہوتی ہے۔

محبت کی لہریں

سیاہ رنگ میں اگر ہم ایک خاص قسم کی کشش محسوس کرتے ہیں تو ہو سکتا ہے کہ جس طرح یہ رنگ حرارت اور روشنی کی شعاعوں کو نسبتاً جلد جذب کر لیتا ہے اسی طرح محبت کی غیر مرئی لہریں بھی اس میں جلد جذب ہو جاتی ہوں اور شاید یہی وجہ ہے کہ سانولے رنگ کی عورت نسبتاً زیادہ محبت کرنے والی ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے "عیب" کو خدمت اور محبت کے ذریعہ مٹانے کی کوشش کرتی ہے (واللہ اعلم) اور بسا اوقات گوری عورت اپنے احساس برتری کے باعث خاوند کی طرف سے کسی قدر لاپرواہی برتنے لگ جاتی ہے اور اکثر ناز کی طرف زیادہ مائل رہتی ہے (اِلَّا مَاشَاءَ اللہ)

امریکہ کی جنوبی ریاستوں کے سفید باشندے یوں تو حبشیوں کو آئے دن جسمانی اذیت (LYNCHING) دیتے رہتے ہیں۔ بظاہر اس لئے کہ وہ قابل نفرت سیاہ فام ہیں اور ان پر

اکثر زنا کا الزام لگایا جاتا ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ دل سے گوری امریکن عورتیں کالے مردوں کو پسند کرتی ہیں۔ اسی طرح بہت سے گورے مرد کالی (حبشی) عورتوں کو ان کی دماغی اور جسمانی خوبیوں کے باوصف دل و جان سے چاہتے ہیں۔

رنگوں کا تفاوت

کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ کالی عورت کی آنکھیں اور دانت گوریوں کی نسبت زیادہ خوبصورت اور چمکیلے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ وہ تفاوت (CONTRAST) ہے جو سیاہ جلد آنکھ اور دانت کی سفیدی کے مقابلہ میں پیش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ٹوتھ پیسٹ کے اشتہارات میں کمپنی والے ہمیشہ سیاہ عورت کی تصویر دکھاتے ہیں۔

پس ہمارے بھائیوں اور بہنوں کو یہ خیال دل سے بکلی نکال دینا چاہیئے کہ سفید رنگ فی ذاتہ کوئی خوبی یا برتری رکھتا ہے۔ اصل خوبی دل و دماغ اور اعمالِ حسنہ کی ہے اور رنگ تو صرف سطحی شے ہے +

ایک کامیاب مبلغ کی سرگزشت

حضرت مولانا رحمت علی صاحب رئیس التبلیغ انڈونیشیا کے خود نوشت ایمان افروز تبلیغی حالات

(۱۰)

بوگر

بوگر شہر بٹاویا سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پاڈانگ کے رہنے والے احمدیوں کے چند رشتہ دار یہاں رہتے تھے اُنہیں تبلیغ کرنے کے لئے مجھے جانا پڑا۔ ہفتہ میں ایک دفعہ وہاں پہنچنا میرے لئے ضروری ہو گیا کیونکہ وہاں میری باتوں میں اچھی خاصی دلچسپی لی جانے لگی۔ مجھے زیادہ عرصہ پریشان نہ رہنا پڑا کہ وہاں کے ایک مجسٹریٹ محمد طاہر صاحب اپنے چند تعلیمیافتہ نوجوان دوستوں سمیت احمدی ہو گئے۔ جب یہاں احمدیت کا بہت چرچا ہوا تو مخالف علماء یہاں بھی پہنچ گئے۔ چنانچہ ایک دفعہ ہمارے ایک دوست کرتا اتماجا بٹاویا سے وہاں لیکچر دینے گئے تو ایک عالم نے صاحبِ صدر سے اجازت لے کر حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق اعتراضات شروع کر دیئے۔ یہ اعتراضات حضرت مسیح موعودؑ کی اُردو کتب پر کئے گئے۔ ان کی نوعیت سراسر لایعنی تھی۔ معترض نے اچھی خاصی دروغ بافی سے کام لیا تھا۔ مقرر اُردو سے نابلد تھا۔ اُس نے کہا مَیں مقامی زبان کے علاوہ عربی جانتا ہوں اِن زبانوں میں لکھی ہوئی کتابوں پر اعتراض کیجیئے مگر معترض کا تقاضا تھا کہ وہ اُردو کتب پر ہی اعتراض کرے گا۔ یہ جھگڑا ابھی جاری تھا کہ قطعاً غیر متوقع طور پر مَیں وہاں پہنچ گیا۔ صاحبِ صدر نے مجھے ان اعتراضوں کا جواب دینے کو کہا۔ اس پر مخالف عالم بگڑا کہ مَیں رحمت علی سے نہیں بلکہ مقرر سے جواب چاہتا ہوں۔ حاضرین نے اس کی اس غیر معقول روش کو ناپسند کیا اور مجھے جواب دینے کی درخواست کی۔ مَیں نے اس سے اصل کتابیں طلب کیں وہ اس کے پاس موجود نہ تھیں۔ جن کتابوں کے متعلق اسکے اعتراضات تھے اُن میں سے بعض کتابیں اتفاقاً میرے پاس موجود تھیں۔ مَیں نے وہ کتابیں صاحبِ صدر کے توسط سے اُسے دیں کہ وہ حوالے نکال کر دکھائے۔ اس کا بیان سراسر جھوٹ تھا۔ اس لئے وہ ایک بھی حوالہ نہ نکال سکا اور بے معنی شور مچانے لگا۔ اس پر حاضرین نے اسے اپنے اصل اعتراضات کی طرف توجہ دلائی اور حوالے طلب کئے۔ اس پر وہ شور مچاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اب علماء اِس علاقہ میں خود ہمارے سامنے آتے ہوئے بہت گھبراتے تھے اسلئے

بالعموم وہ اپنے شاگردوں کو ہماری تقریروں کے موقع پر بھیج دیتے کہ وہ شور مچائیں اور ہمیں تنگ کریں۔

ایک دفعہ ہمارے ایک مباحثہ میں حسب معمول چند طلباء نے شور مچایا۔ مباحثے کے دوران ہی میں ہم نے تحقیقات کی تو معلوم ہوا کہ یہ سب برخوردار ایک مقامی عالم حاجی دبیری کے شاگرد ہیں۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ حاجی صاحب خود بھی بہ نفسِ نفیس تشریف فرما ہیں۔ یہ لوگ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے تھے لیکن اُن کے عقائد نہایت عجیب تھے۔ مثلاً ان کا عقیدہ تھا کہ دن میں صرف ایک دفعہ بارہ رکعت کی نماز کا حکم ہے۔ عبادت باطنی طور پر کرنی چاہیئے۔ ظاہرا ایک نماز بھی عمر بھر اگر نہ پڑھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ چونکہ ہمارے سامعین میں یہ لوگ نمایاں اور خاصی تعداد میں تھے اس لئے اپنی علمی تقریروں کے دوران میں نے اس فرقہ کا بھی خیال رکھا اور چند ایسی باتیں کہہ دیں جن کا بظاہر اصل موضوع سے کم تعلق تھا۔ میری اس طرزِ گفتگو کا نتیجہ توقع سے بہت بڑھ کر برآمد ہوا۔ مباحثہ سے فارغ ہوکر میں گھر واپس پہنچا ہی تھا کہ حاجی دبیری صاحب میرے پاس پہنچ گئے اور وہ بھی اس ہیئت کذائی کے ساتھ کہ ان کے شاگردوں کا جمِ غفیر ان کے ساتھ تھا۔ میں نے بڑی خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کیا۔ محبت سے اپنے پاس بٹھایا۔ چائے سے تواضع کی اور اُن کی تشریف آوری کا مقصد دریافت کیا۔ معلوم ہوا حاجی صاحب عقائد کے متعلق مجھ سے چند سوالات کرنا کرنا چاہتے ہیں۔ بڑی بے تکلفی اور دیانت داری کے ساتھ تبادلۂ خیالات ہوا اور ہم نے ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ کئی گھنٹے کی گفتگو کے بعد حاجی صاحب نے اپنے احمدی ہونے کا اعلان فرمایا اور اپنے شاگردوں کی طرف اشارہ کرکے کہا میں انہیں آپ کے سپرد کرتا ہوں آئندہ ان کی علمی اور روحانی پیاس آپ بجھائیں گے۔ ہم نے مل کر دعا کی اور اُن کے شاگرد بھی بہ خلوصِ دل ہمارے ساتھ شامل ہوئے۔ تھوڑا عرصہ بعد حاجی صاحب نے اپنا ایک مکان ہمارے لئے ایک مسجد میں تبدیل کر دیا اور اس سے ملحقہ اپنا ایک دوسرا مکان ہمیں دارالتبلیغ بنانے کے لئے تفویض فرمایا۔ حاجی صاحب کا جماعتِ احمدیہ میں داخل ہونا تھا کہ بوگرہ کے اردگرد دیہات میں احمدیت کے چرچے ہونے لگے اور ہمارے لئے خود بخود میدان ہموار ہوگیا۔ ہماری تھوڑی سی کوشش سے ایک گاؤں پورا کا پورا احمدی ہوگیا اور اُس نے اپنے لئے ایک مسجد بھی تعمیر کر ڈالی۔ باقی دیہات پر بھی بہت خوشگوار اثر پڑا اور احمدیت قبول کی جانے لگی۔

یہ لوگ زیادہ تر تجارت کرتے ہیں اور بعض کا پیشہ زراعت ہے۔ علم کے لحاظ سے وہ کچھ زیادہ ترقی یافتہ نہیں لیکن اخلاص اور ایمان میں یہ لوگ اپنی مثال آپ ہیں۔ جماعت کے معمولی جلسہ کا علم ہو جاتے تو یہ لوگ بیس بیس، تیس تیس میل پیدل چل کر اس میں شریک ہوتے ہیں۔

امام مہدی کی آمد کے متعلق اس علاقہ میں اور بالخصوص ایک جگہ "سنگاہرتا" میں بعض روایات مشہور ہیں۔ جب میں پہلے پہل "سنگاہرتا" میں گیا تو بعض بوڑھے لوگوں نے مجھے بتایا کہ ان کا عقیدہ ہے کہ امام مہدی کا ایک شاگرد یہاں آئے گا اور خاص اس مکان میں ٹھہرے گا جہاں میرا قیام تھا۔ اسجگہ جاپانیوں نے

اچھے خاصے مظالم کئے اور یہیں ان کے خلاف سب سے پہلے باقاعدہ بغاوت ہوئی۔ ان دنوں ملک عزیز احمد صاحب اس علاقہ میں تبلیغ کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں اور ان کے علاوہ محمد طیب صاحب شب و روز مصروفِ تبلیغ ہیں۔ حکومتِ جاپان نے ان پر بہت ظلم کئے تھے۔ یہ محض خدا کا فضل ہے کہ آپ زندہ بچ رہے۔

اس علاقہ میں کئی ایسے لوگ احمدیت میں داخل ہوئے جن کو اُن کے اپنے بیان کے مطابق اُن کے آباؤ اجداد نے کہہ رکھا تھا کہ ایک دن مہدی کا ایک خادم تمہارے پاس آئے گا۔ جو بات کہے تم مان لینا۔ دو ایک موقعوں پر ایسا بھی ہوا کہ بعض بوڑھے اور برگزیدہ آدمیوں نے مجھ سے صرف یہ سوال کیا کہ کیا آپ امام مہدی کے شاگرد ہیں؟ میرے محض اثبات میں جواب دینے پر وہ یہ کہہ کر احمدیت میں داخل ہو گئے کہ ہمارے بزرگوں کی وصیت تھی کہ جب امام مہدی کا شاگرد یہاں آئے تو ہم امام مہدی کی بیعت کر لیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں نے برسوں اس علاقہ میں تبلیغ کی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں کی نفسیات سے میں اب تک بخوبی واقف ہو چکا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض دفعہ جس بے تکلفی اور مؤثر طریق سے وہاں کے مقامی احمدی دوسروں کو قائل کر لیتے ہیں وہ میں سمجھتا ہوں ایک حد تک مجھے میسر نہیں۔ مثلاً ایک دفعہ ایک علمی مجلس میں تصوّف کے مسائل زیر بحث تھے اور حاضرین میں اچھی خاصی تعداد رؤسا کی تھی۔ اسی ضمن میں حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر آ گیا۔ اس پر ہمارے احمدی دوست "طاہر گلہ سوتن تمنگو" مجسٹریٹ نے ایک دلیل دی جسے سُن کر مجھے بے ساختہ ہنسی آ گئی لیکن محض اس دلیل کو سُن کر اسی مجلس میں ایک معزز آدمی احمدی ہو گیا۔ ہمارے احمدی دوست نے کہا تم نے سُنا ہو گا ایک شخص کا نام الٰہ دین تھا۔ اس کے پاس ایک چراغ تھا۔ اس چراغ کی مدد سے وہ ہر کامیابی حاصل کر لیتا تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ وہ چراغ اُس سے کھو گیا اور وہ سرگرداں رہا تاہم کچھ عرصہ بعد وہ چراغ اُسے دوبارہ مل گیا۔ اس واقعہ کے ظاہری الفاظ خواہ کچھ ہوں معنوی لحاظ سے یہاں چراغ سے مراد قرآن کریم اور الٰہ دین سے مراد حضور سرورِ کائنات ہیں۔ اس واقعہ میں یہ پیشگوئی پنہاں ہے کہ قرآن دنیا میں آیا۔ ایک وقت آئے گا کہ قرآن گم ہو جائے گا۔ علماءِ سُوء اس کے چرانے والے ہونگے وہ اپنا مطلب نکالنے کے لئے اس کے من گھڑت معنے کریں گے۔ پھر مسیح موعود آئیں گے اور قرآن دوبارہ مل جائے گا۔ وہ اس کے صحیح معنی کر کے دنیا میں اس کا نور پھیلائیں گے۔

ایک بات جس نے مجھے اس علاقہ میں بہت فائدہ دیا اور جس وجہ سے مجھے یہاں کامیابی ہوئی وہ یہ تھی کہ مخالف علماء وغیرہ سے اپنا اختلاف میں نے صرف اصول کی حد تک رکھا۔ کیا مسلمان مولوی اور کیا عیسائی پادری یہ بخوبی سمجھتے رہے کہ مذہبی اختلاف کے علاوہ میں اُن کا خیر اندیش اور دوست ہوں۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ عام مسلمان مولویوں اور عیسائی پادریوں نے مجھے خطوط لکھے کہ فلاں فلاں غیر احمدی مسلمان یا عیسائی کو ہم آپ کے پاس

بھیجتے ہیں۔ فلاں فلاں رنگ میں اُن کی مدد کیجئے۔ مباحثہ سے باہر ہم جب بھی ملتے میں نہایت خندہ پیشانی سے پیش آتا۔ اور اُن کی خیر و عافیت دریافت کرتا۔ اس کا ہمیں خاص فائدہ یہ رہا کہ جس جلسہ میں بذاتِ خود میں شریک ہوتا یہ لوگ اور ان کے شاگرد ہماری مخالفت تو کرتے لیکن اس مخالفت میں متانت اور سنجیدگی کا پہلو نمایاں ہوتا۔ پھر بعض دفعہ ہمارے سلسلہ کی کتابیں یہ مجھ سے لے جاتے اور ان کے عقائد سے متعلق کتابیں اُن سے میں لے آتا۔

گاروت

اس شہر میں سردی خاصی ہوتی ہے۔ پہلے پہل یہاں میرا آنا اس طرح ہوا کہ ایک عیسائی پادری سے بحث کرنے کے لئے یہاں کے بعض مسلمانوں نے مجھے بلوایا تھا۔ یہ مباحثہ کسی بڑے اہتمام سے نہیں کیا گیا تھا اس لئے اس کے اثرات بھی دُور رس نہ ہو سکتے تھے تاہم بحث میں میرا پلّہ اتنا بھاری رہا کہ وہاں کے عام مسلمانوں نے وہیں دو ٹوک فیصلہ کر لیا کہ یہیں پر عیسائی پادریوں سے ایک بہت بڑے پیمانے پر مناظرہ ہوگا تاکہ پوری طرح اسلام کی دھاک بیٹھ جائے۔ مناظرہ کو ترتیب دینے اور اس کا انتظام کرنے کے لئے انہوں نے ایک کمیٹی بنا دی۔ درحقیقت اس کمیٹی کا کام مناظرہ کے وقت امن قائم رکھنا تھا لیکن اس کے کسی ممبر نے یہ تجویز پیش کر دی کہ اس معاملہ پر دوبارہ غور کیا جائے کہ مسلمانوں کی طرف سے کون مناظرہ کرے گا۔ مجھے وہ کافر سمجھتا تھا اس لئے اس کا منشاء یہ تھا کہ میرے علاوہ کوئی اور شخص مسلمانوں کی نمائندگی کرے۔

اس پر کمیٹی میں گرما گرم بحث ہوئی اور نوبت ووٹوں تک پہنچی۔ کمیٹی کے مختلف ممبروں نے تین مختلف نام پیش کئے اور فیصلہ ووٹوں پر چھوڑ دیا گیا۔ ان تین ناموں میں ایک نام میرا تھا۔ رائے شماری پر معلوم ہوا کہ دو ووٹ ایک صاحب کو ملے، بارہ دوسرے کو اور دس مجھے۔ جدھر بارہ ووٹ دیئے گئے وہاں رائے دہندوں نے اپنے ووٹوں کو مشروط کر دیا تھا کہ اگر رحمت علی یہ وعدہ کرے کہ وہ اس اسٹیج پر احمدیت کا پراپیگنڈہ نہیں کرے گا تو ہمارے ووٹ بھی اسی کے حق میں سمجھے جائیں۔ اگر وہ یہ شرط نہ مانے تو ہمارے ووٹ دوسرے آدمی کے حق میں سمجھے جائیں۔ میں نے کہہ دیا کہ عیسائیت و اسلام کا مقابلہ ہے مناظرہ اسی تک محدود رکھا جائے گا۔ چنانچہ بعض ممبروں کی انتہائی مخالفت کے باوجود کمیٹی نے مباحثہ کے لئے مجھے نامزد کر دیا۔ جب میرے نام کا اعلان ہوا تو عیسائی لوگ کچھ گھبرا گئے۔ انہوں نے مجھے خط لکھا کہ ہم مناظرہ صرف مسلمانوں سے کر رہے ہیں، چونکہ مسلمان تمہیں کافر سمجھتے ہیں اس لئے تم سے مناظرہ کرنا ہمیں منظور نہیں۔ مسلمانوں کی کمیٹی نے عیسائی پادریوں کو بہت سمجھایا کہ رحمت علی ہمارا نامزد کردہ مناظر ہے مگر عیسائی پادریوں کو ایک بہانہ ہاتھ آ گیا اور انہوں نے مناظرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس طرح مناظرہ تو نہ ہو سکا لیکن اس کھینچا تانی میں میری ذات اچھی خاصی اہمیت حاصل کر گئی اور میں نے دیکھا کہ لوگ میری باتیں سُننے کے مشتاق ہیں۔ میں نے اپنے رنگ میں دھیمے دھیمے تبلیغ شروع کی اور چند دن میں خدا کے فضل سے وہاں ایک اچھی خاصی جماعت پیدا ہو گئی۔ ان دنوں موٹو ہ

عبدالواحد صاحب سماٹری یہاں کام کرتے ہیں اور احمدیت کو اچھا فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

دوسری مرتبہ میں اس علاقہ میں آیا تو معلوم ہوا کہ ایک ہندوستانی حجام جو بچپن میں اپنے والدین کے ہمراہ یہاں آ گیا تھا احمدیت کی سخت مخالفت کر رہا ہے اور حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق بڑی بدزبانی سے کام لیتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اس حیلے سے شہرت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اُس نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ وہ بہت بڑا عالم ہے مگر بتانے والوں نے مجھے بتایا کہ درحقیقت اس کا علم قینچی استرے کے صحیح استعمال تک محدود ہے تاہم اُس نے مناظرہ کے لئے مجھے چیلنج دے دیا۔ اب صحیح بات یہ ہے کہ اسے عربی بالکل نہ آتی تھی اس لئے وہ مجھ سے اردو میں بحث کرنا چاہتا تھا۔ اردو کو وہاں کے عوام نہیں سمجھتے تھے اس لئے میں نے اُسے سمجھایا اور باقی لوگوں کو بھی اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ اردو یا وہ جانتا ہے یا میں۔ سننے والے اردو نہیں جانتے اس لئے وہ یہ نہیں سمجھ سکیں گے کہ بحث میں غالب کون رہا۔ چنانچہ مجھے مجبوراً اس سے عربی زبان میں گفتگو کرنی پڑی تاکہ اور لوگ بھی اس گفتگو کو سمجھ سکیں۔ حجام زادہ صاحب عربی میں نہ میری بات سمجھ سکے نہ جواب دے سکے اس لئے میں نے عربی میں لوگوں کو سمجھایا کہ قرآن، حدیث اور حضرت مسیح موعودؑ کی بعض کتابیں عربی میں ہیں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ جو شخص ان میں سے کوئی بھی کتاب نہ پڑھ سکتا ہو وہ ایمانداری کے ساتھ ان کی روشنی میں کیا گفتگو کر سکے گا۔ اس پر عام لوگوں نے اسے بہت شرمندہ کیا اور احمدیت کے متعلق تحقیقات شروع کر دی۔ کچھ عرصہ بعد وہ صاحب دق اور سل میں مبتلا ہو کر اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اُن کی مخالفت اُن کے ساتھ ہی ختم ہو گئی۔ مگر جو احمدیہ جماعت وہاں پیدا ہوئی وہ بفضلِ خدا ہمیشہ قائم رہے گی۔ (باقی)

ہر ایک دیس میں

جناب روشن دین تنویر

ہوا و حرص کے طاغوت مار ڈالیں گے
ہر ایک دل میں ہم اللہ کا پیار ڈالیں گے

خزاں نے لوٹ تو لی ہے بہار پھولوں کی
خزاں کے سینے میں طرحِ بہار ڈالیں گے

چڑھا ہوا ہے جو محفل کے سر میں مے کا خمار
تری نگاہ کا صدقہ اتار ڈالیں گے

کریں گے شانہ کشی گرم گرم سانسوں سے
صبا کی زلفِ پریشاں سنوار ڈالیں گے

ہمارا مال ہی کیا ہے ہماری جاں ہی کیا
قدم قدم پہ تیرے وار وار ڈالیں گے

پرو رہے ہیں جو تارِ نظر میں خون کے اشک
ترے گلے میں یہ لعلوں کا ہار ڈالیں گے

جہاں تک اپنا گلا کام دے گا اے تنویرؔ
ہر ایک دیس میں اس کی پکار ڈالیں گے

چوہدری محمد شریف خالد ایم۔اے۔ ایل ایل۔بی

نوجوان کے نام

تیرا مقصد ہے کوئی تو اس کو رائگاں نہ کر
روزگارِ نامساعد میں بھی این و آں نہ کر

کر قناعت اور توکل، مت اٹھا دستِ سوال
اپنی خودداری مٹا کر خود کو تو ارزاں نہ کر

کام آنا ہر کسی کے تیرا نصب العین ہو
اپنے دامن کو کبھی شرمندۂ احساں نہ کر

عارضی ہیں سب بہاریں اور یہ رنگینیاں
رنگ و بو میں آشیاں، اے طائرِ ناداں نہ کر

کشمکش اور سعیٔ پیہم، زندگی کا نام ہے
بن نہ تن آساں تو اور عیش کے ساماں نہ کر

عزم و استقلال سے مشغول ہو ہر کام میں
اپنے مقصد کے لئے اوروں کو تو قرباں نہ کر

ہمّتِ عالی سے ہوگا طے یہ بحرِ بے کنار
بیمِ موج و فکرِ ظلمت، خدشۂ طوفاں نہ کر

مستقل فیچر

بیادگار حضرت مرزا شریف احمد صاحب رضؓ

قبولِ احمدیت کی دلچسپ داستان

۱
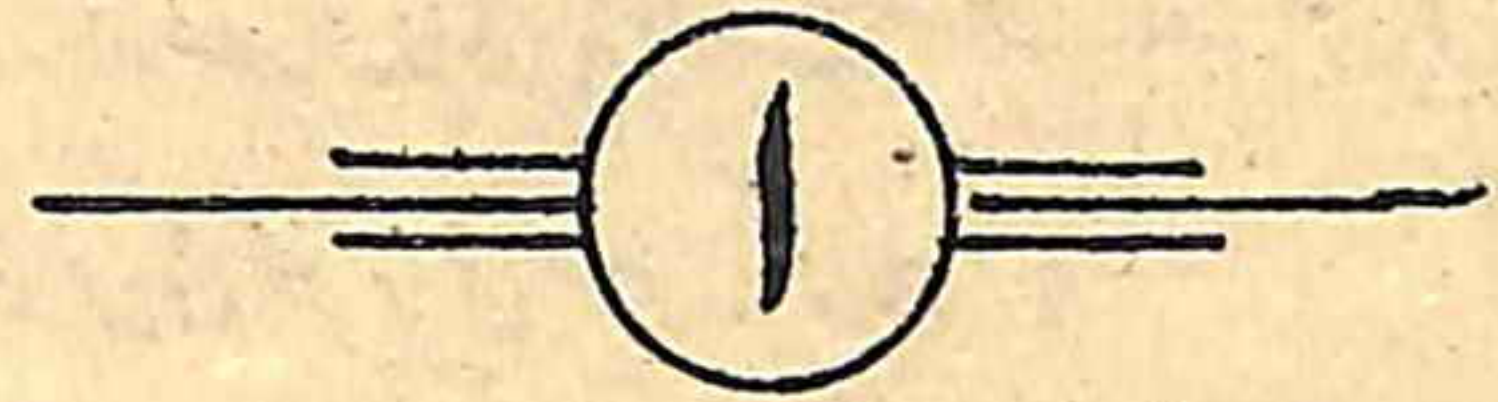
(از جناب سیٹھ اسمٰعیل آدم صاحب مرحوم رضؓ آف بمبئی)

مَیں ۱۸۹۳ء میں پنجاب کے اُردو اخبارات میں حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف مضامین دیکھ کر اس طرف متوجہ ہُوا کہ یہ صاحب مدعیٔ مہدویت و مسیحیت کون ہیں۔ اُن کی تعلیم کیا ہے۔ اُن کا دعویٰ کیا ہے کہ وہ سچ مچ مہدیٔ آخر الزمان اور مسیح ابن مریم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں یا اخبارات محض دشمنی سے ایسے مضامین لکھ رہے ہیں۔ پہلے مَیں نے زبانی طور سے اپنے حلقۂ احباب میں تحقیق اور تفتیش شروع کی۔ مگر پھر خیال آیا کہ زبانی باتوں سے تسلّی نہیں ہوگی بہتر ہے کہ اُن کی تصنیفات دیکھوں۔ اس لئے براہینِ احمدیہ سے لے کر آئینۂ کمالاتِ اسلام تک کی تمام تصنیفات بذریعہ وی پی منگوا کر پڑھیں لیکن اِن کتابوں کے پڑھنے میں سُستی اور غفلت کی وجہ سے ڈیڑھ دو سال کا عرصہ گزر گیا۔ آخر دل نے گواہی دی کہ یہ شخص سچا ہے۔ اِس کے بعد اپنی قوم میمن کچھی کے ایک پیشوا جن کے سلسلۂ بیعت میں میرے والد صاحب اور میرے دوسرے بزرگ رشتہ دار بھی منسلک تھے۔ علاوہ اس کے کچھ کاٹھیاواڑ، سندھ، بمبئی وغیرہ کے دوسرے مسلمان بھی قریب دو لاکھ اشخاص اُن کے مرید تھے۔ اور مَیں بھی اپنی عمرِ پندرہ سولہ سال میں اُن کو مل چکا تھا۔ وہ بمبئی میں قریبًا ہر سال آیا کرتے تھے اور "پیر سائیں جھنڈے والے" (صاحبُ العَلَم) کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۸۹۵ء کے آخر یا ۱۸۹۶ء کے اوائل میں مَیں نے ایک خط بزبانِ فارسی اُن کو لکھا کہ ہم تو دنیا دار ہیں اور رُوحانی آنکھوں سے اندھے ہیں اور آپ لاکھوں انسانوں کے پیشوا اور رہنما ہیں، صاحبِ بصیرت ہیں، لہذا آپ حلفاً جواب دیں کہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مدّعیٔ مہدویت و مسیحیت اپنے دعویٰ میں صادق ہیں یا کاذب۔ اگر آپ نے کوئی جواب نہ دیا اور وہ سچے ہیں اور ہم ہدایت سے محروم ہو گئے تو آپ خدا تعالےٰ کے نزدیک اس کے ذمہ وار ہیں اور اگر وہ جھوٹے ہیں اور ہم نے نادانی سے اُن کو مان لیا تو ہماری گمراہی کا وبال بھی آپ کے سر ہوگا۔ اس کا جواب بعد القاب آداب مستفسرہ کے بارے میں انہوں نے مجھے لکھا:-

"شہادت اوّل: ہمارے سلسلہ کا دستور

ہے کہ مابین مغرب و عشاء ہم اپنے مریدوں کے ساتھ حلقہ کر کے ذکرِ الٰہی کیا کرتے ہیں۔ ایک روز اس حلقہ میں بحالتِ کشف آنحضرتؐ کو ہم نے دیکھا تو ہم نے آپؐ سے سوال کیا کہ یا حضرت! یہ شخص مرزا غلام احمد کون ہے؟ تو آپ نے جواب دیا "از ماست" (یعنی ہماری طرف سے ہے)۔

شہادت دوم:۔ ہمارے خاندان کا طریقہ ہے کہ بعد از نماز عشاء ہم کسی سے کلام نہیں کرتے اور سو جاتے ہیں۔ یہی سنتِ رسولؐ ہے۔ ایک دن خواب میں ہم نے آنحضرتؐ کو دیکھا تو ہم نے سوال کیا کہ حضور مولویوں نے اس شخص پر کفر کے فتوے لگائے ہیں اور اس کو جھٹلاتے ہیں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔ "در عشقِ ما دیوانہ شدہ است"۔ (ہمارے عشق میں دیوانہ ہے)۔

شہادت سوم:۔ ہمارا سلسلہ اور خاندان تہجد گزار ہے۔ اس لئے ہم روزانہ رات کو تین بجے کے بعد اُٹھتے ہیں اور بعد نماز تہجد کروٹ پر لیٹے رہتے ہیں اور اسی وضو سے صبح کی نماز پڑھتے ہیں کہ یہ بھی سُنّتِ رسولؐ ہے۔ ایک دن اسی کروٹ لیٹنے کی حالت میں کچھ غنودگی طاری ہوئی اور آنحضرتؐ تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت ہماری حالت نیند اور بیداری کے درمیان تھی تو ہم نے آپؐ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کی یا رسول اللہ! اب تو سارا ہندوستان چھوڑ عرب کے علماء نے بھی کفر کے فتوے دیئے ہیں تو آپؐ نے بڑے جلال میں تین بار دہرا کر کہا:۔

هُوَ صَادِقٌ هُوَ صَادِقٌ هُوَ صَادِقٌ
(وہ سچا ہے وہ سچا ہے وہ سچا ہے)

یہ ہے سچی گواہی جو ہمارے پاس ہے۔ ہم آپ کی قسم سے سبکدوش ہو گئے۔ ماننا نہ ماننا آپ کا کام ہے۔

راقم رشید الدین پیر صاحب العَلَم"۔

اس کے بعد جولائی یا اگست ۱۹۰۲ء میں میں نے حضرت اقدس کی تحریری بیعت کر لی +

(بحوالہ الفضل مورخہ یکم دسمبر ۱۹۳۱ء)

۲
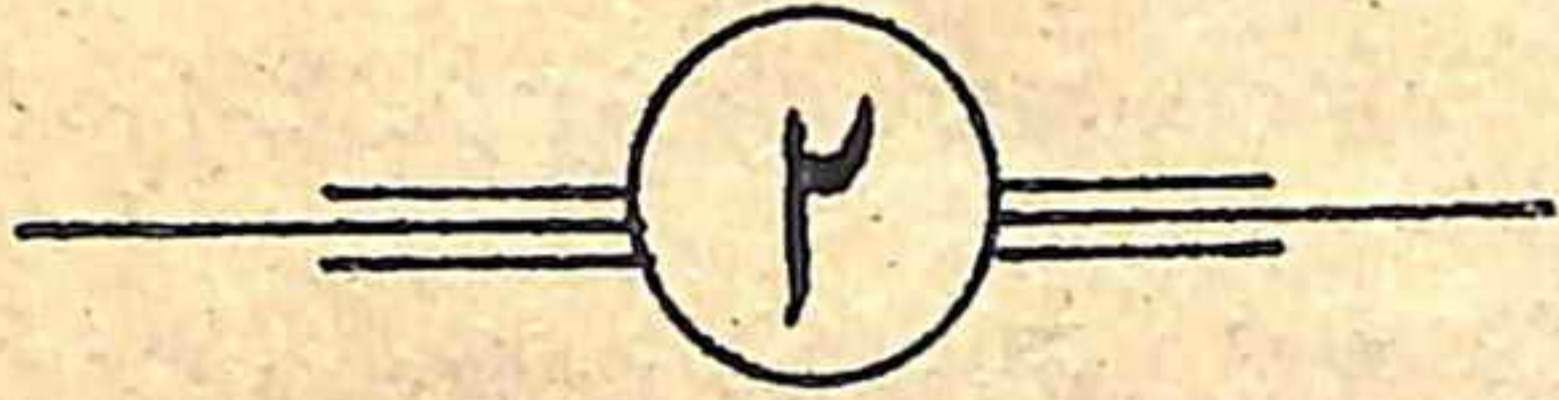
(از مکرم ملک محمد علی جاوید اقبال صاحب)

یہ قریباً دس برس پہلے کا ذکر ہے جب میں پانچویں جماعت میں تعلیم حاصل کرتا تھا کہ ایک رات میں نے خواب میں یہ دیکھا کہ شمال کی طرف کچھ آگ سی ظاہر ہوئی ہے اور پھر پھیل رہی ہے۔ آگ کے شعلے بہت بلند ہوتے جارہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد شعلوں کے اُوپر ایک پھول بن گیا بہت ہی خوبصورت پھول۔ اور پھر پھول بھی بڑا ہو رہا ہے۔ میرے دیکھتے دیکھتے وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ شمال کی ساری جانب اس کے لئے تنگ نظر آرہی ہے۔

میں حیران ہوا کہ جب میں نے یہ دیکھا کہ پھول کے اُوپر جیسے آگ کے اُوپر پھول بنا تھا اسی طرح پھول کے اُوپر ایک سفید چادر نظر آئی۔ میں اس چادر کو بغور دیکھ رہا تھا کہ یکایک میری نگاہ جھکی اور پھر میں نے

اُوپر دیکھا تو مجھے اُس چادر پر ایک تصویر نظر آئی تصویر کا چہرہ بہت نورانی تھا۔ سر مبارک پر پگڑی تھی۔ مَیں اِس تصویر کو بڑے شوق سے دیکھ رہا تھا کہ پھر پہلے کی طرح آنکھیں نیچے کی طرف جُھک گئیں۔ اِس دفعہ مجھ میں اتنی طاقت نہ رہی کہ پھر اُوپر دیکھ سکوں۔

چند لمحے گزرنے کے بعد مَیں نے پھر ہمّت باندھ کر اُوپر دیکھا تو تصویر ویسے ہی رونق افروز تھی اور سامنے جلی حروف میں "مہدی مسیح الزمان سنہ ۱۹۶۲ء" لکھا ہوا پایا۔ جب مَیں نے یہ دیکھا تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مَیں بڑے شوق سے یہ نظارہ دیکھ رہا تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی اور مَیں حیران و پریشان ہو کر اُٹھ بیٹھا۔

مَیں نے اُٹھ کر وضو کیا اور دو رکعت نماز ادا کی اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگی یا غفور الرحیم ایسا ہی ہو۔ یا قادر کریم ایسا ہی ہو۔ یا رب العالمین ایسا ہی ہو۔ آمین یا ارحم الراحمین۔

صبح مَیں نے یہ خواب اپنے بھائی صاحب سے بیان کیا۔ آپ نے سُن کر فرمایا کہ اِس خواب کو پوشیدہ رکھا جائے کیونکہ یہ قدرتِ کاملہ کا ایک کرشمہ ہے ہم چونکہ اہل سنّت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے اس لئے علماء کرام سے اِس بات کا پتہ نہ چل سکا کہ امام مہدی کا ظہور ہو چکا ہے کیونکہ علماء کرام فرماتے تھے کہ ابھی وہ وقت ہی نہیں آیا۔

بالآخر فروری سنہ ۱۹۶۲ء کو میرے ایک عزیز دوست ملک لال خاں صاحب سٹوڈنٹ انجنیئرنگ یونیورسٹی نے جو حال ہی میں احمدی ہوئے تھے مجھے سلسلہ عالیہ احمدیہ کی چند کتب دیں اور فرمایا کہ ان کا مطالعہ کریں۔ مَیں نے ان کتب کا نہایت توجہ سے مطالعہ کرنا شروع کر دیا۔ مَیں اُس وقت اپنے گاؤں سے چھ میل دُور سرکاری ٹیوب ویل پر بطور اپریٹر ملازم تھا۔ بیس پچیس دن کے بعد جو گھر جانے کا اتفاق ہُوا تو مَیں نے اپنے بھائی صاحب سے ان کتابوں اور سلسلہ کے متعلق بات چیت کی۔ آپ نے پوری بات سُنی اور تھوڑی دیر خاموش رہ کر فرمایا "مجھے تمہارا وہ خواب یاد ہے جو تم نے پرائمری کی پانچویں جماعت میں دیکھا تھا اور جس میں سنہ بھی لکھا ہوا نظر آیا تھا۔ تمہارے کہنے کے مطابق مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ وہ یہی سال یعنی ۱۹۶۲ء تھا۔ اسی سال امام مہدی کا ظہور ہونا تھا جو آج اِس صورت میں ظاہر ہو گیا"۔ دل نے گواہی دی کہ ہاں ٹھیک ہے، ایسا ہی ہے۔ ہم آج تک بھُولے ہی رہے۔

پس مَیں نے اِس طرح نورِ ہدایت کو شناخت کر لیا۔ خدا تعالیٰ کا بڑا فضل اور احسان ہے کہ بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ہمارے علاقہ کے پچیس ۲۵ دیگر افراد نے بھی بیعت کر لی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک +

نو احمدی احباب سے گذارش

ہے کہ وہ اپنے احمدی ہونے کے حالات مختصراً تحریر کر کے ہمیں بھجواتے رہیں تا خالد میں یہ کالم مستقل طور پر جاری رکھا جائے

(ادارہ)

شہزاد جالندھری

حدیثِ موت کو رمزِ بقا بنا دوں گا
مَیں اپنے آپ کو پھر دار پر چڑھا دوں گا

تلاش کی ہے حقائق کی روشنی مَیں نے
اب انجمن کو خیالوں سے جگمگا دوں گا

ترے کرم کا طلبگار ہے مرا سجدہ
مَیں تیرے سامنے ہر بار سر جھکا دوں گا

خزاں رسیدہ چمن کو نیا لہو دے کر
روش روش کو بہارِ دل سے مَیں سجا دوں گا

مَیں ایک جام تو پی لوں یہ حادثہ کیا ہے
زمانے بھر کے حوادث پہ مسکرا دوں گا

سُنا ہے آج وہ آئیں گے اس طرف شہزاد!
مَیں اُن کی راہ میں یہ چشم و دل بچھا دوں گا

جنید ہاشمی بی۔اے

انتخاب و اقتباس!

خارق عادت معجزات کا تاریخی ثبوت

ڈاکٹر عمانوئیل ویلیکوسکی نے ایک کتاب "اجرام فلکی میں تصادم" (worlds in Collision) لکھی ہے۔ جس میں بڑی عرق ریزی اور تحقیق سے تاریخی اور سائنسی ثبوت بہم پہنچائے ہیں کہ بائیبل اور دیگر مذہبی صحف میں جو معجزات اور خارق عادت واقعات رونما ہوئے ہیں وہ قانون قدرت کے مطابق اور تاریخی لحاظ سے درست ہیں۔ مثلاً اگر بنی اسرائیل کی ہجرت کے وقت حضرت موسیٰؑ کے لئے سمندر شق ہوا تھا تو عین اسی وقت دنیا کے دیگر ممالک میں بھی زمین زیر و زبر ہو گئی تھی۔ جس کا ثبوت بابل کے کتبوں، مائن اور ازتک کی تقویم (میکسیکو) عرب کی اساطیر الاولین، ہندوستان کی پستکوں، تبت اور چین کی پراچین اور پیپرس کے مخطوطات میں بھی اس کا ذکر موجود ہے کہ زمین ایک زلزلے سے ہل گئی اور سمندر میں بھیانک لہروں سے تلاطم پیدا ہو گیا تھا۔ گویا کہ یہ ایک مقامی واقعہ ہی نہ تھا بلکہ ایک وسیع الاثر اور ہمہ گیر قدرت کا کرشمہ تھا لیکن ڈاکٹر موصوف نے اس مبحث کو نہیں چھیڑا کہ یہ معجزہ خدا کے ایک برگزیدہ نبی کی صداقت کا زندہ نشان تھا۔ یعنی زمین کا اس طرح زیر و زبر ہونا اگر ایک طرف خدا کے برگزیدہ بندے کی نجات کی ایک صورت بن جاتی ہے اور دوسری طرف خدا کے باغی اور طاغی انسان کی ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے۔ اسی طرح اور کئی ہیبتناک عذابوں مثلاً آسمان سے پتھر برسنا، دریاؤں کا پانی سرخ ہو جانا، مینڈکوں اور ٹڈی دل کی بارش، تند آندھیوں اور تباہ کن سیلابوں وغیرہ کی پیشگوئی اگر کوئی نبی کرتا ہے اور ڈنکے کی چوٹ سے کہتا ہے کہ گناہ اور سرکشی کی زندگی سے باز آجاؤ ورنہ اس کی لپیٹ سے تم بچ نہیں سکو گے تو خواہ بعد میں سائنس (آثار قدیمہ، علم الاصنام، طبقات الارض، فزکس، کیمسٹری وغیرہ) اس کا جواز اور تاریخی ثبوت مہیا کرتی پھرے۔ خدا کے اس نیک بندے کے منجانب اللہ برحق ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ بہرحال ڈاکٹر ویلیکوسکی کی کتاب سے نمونۃً ایک اقتباس ذیل میں دیا جاتا ہے جس سے آپ کو بنی اسرائیل کی ہجرت اور فرعون کی غرقابی کے واقعہ کی ہیبت اور الٰہی غضب کا اندازہ ہو سکے گا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"۱۵۰۰ سنہ قبل مسیح سے بھی بہت پہلے کائنات کی وسعتوں میں ستارہ زحل میں سے گیسوں اور پگھلے ہوئے مادے کا ایک کرہ الگ ہوا اور بے مہار ہو کر فضا میں تیرنے لگا۔ یہ

شہاب ثاقب کرۂ ارضی کے رہنے والوں کو دن کے وقت دھوئیں کا ایک ستون سا نظر آتا اور رات کے وقت روشنی کا منار معلوم ہوتا۔ صدیوں تک یہ دمدار ستارہ کائنات کی پہنائیوں میں آوارہ گھومتا رہا اور آخرکار یہ ایک روز ہمارے نظامِ شمسی میں پھنس گیا اور اپنے مدار پر گھومنے لگ گیا۔ یعنی خوبصورت اور چمکدار ستارہ سورج کے گرد مقررہ چکر لگانے لگ گیا۔ ہم نے اسے خود زہرہ (ستارۂ صبح) کا نام دیا۔ اور آج تک ہمیں ہر روز نظر آتا ہے۔ یہی وہ عجیب و غریب ستارہ ہے جس کی پیدائش کے دوران زمین پر رہنے والے لوگوں کو عذاب اور طوفان کا منہ دیکھنا پڑا۔ اور یہ ہوا یوں کہ جس طرح ایک ایٹم کے اندر الیکٹرون (ELECTRONS) ایک چھوٹے سے نظامِ شمسی کی مانند نیوکلیس (NUCLEUS) کے اردگرد گھومتے ہیں۔ اسی طرح کائنات میں سورج کے اردگرد چاند اور زمین گھومتے ہیں۔ اگر ایک الیکٹرون اپنے دائرۂ عمل سے الگ ہو جائے تو ایٹم کے پھٹنے کا باعث بن جاتا ہے۔ اسی طرح زہرہ ستارہ جب زمین کے مدار اور اس کے حلقۂ اثر میں آیا تو یہاں گڑبڑ پیدا ہو گئی۔ سمندر کے پانی میلوں اُچھلے۔ زمین پر سے پہاڑ اِدھر سے اُدھر ہو گئے۔ دریاؤں کے رُخ بدل گئے۔ سبزہ زار صحراؤں میں تبدیل ہو گئے اور زمین پر کی برف پگھل گئی۔ بڑے بڑے جانور (مثلاً ہاتھی اژدہا) ہزار ہزار میل دور جا گرے۔ بہرحال قصّہ مختصر یہ کہ زہرہ کا یہ شہابِ ثاقب پہلی دفعہ فرعونِ مصر کے زمانے میں زمین کے قریب آیا۔ فرعون کے اس زمانے میں بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا کہ قہرِ خداوندی نے مصر پر مینڈکوں اور ٹڈی دل کا عذاب بھیجا اور خون اور آگ کی بارش برسائی اور ایسا اندھیرا چھا گیا کہ فرعون کا دل دہل گیا۔"

ڈاکٹر ولیکوسکی لکھتا ہے کہ:-

"اس شہابِ ثاقب کی دُم اس وقت گیسوں اور سنگین مادے سے بھری ہوئی زمین کے مدار میں داخل ہو کر بارش اور آندھی کا موجب بنی جس سے کرۂ ارضی کے دریا اور جھیلیں اور سمندر سُرخ نظر آنے لگے اور چٹانیں اور پہاڑ آتشیں ہو گئے۔ جب اس دمدار ستارے کا درمیانی حصّہ زمین کے قریب آیا تو سمندری پانیوں میں زیر و بم کی وجہ سے میلوں لہریں اُٹھیں اور یہ صرف بحرِ احمر میں ہی نہ ہوا بلکہ اس زمانے کے پرانے کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ فن لینڈ، بابل، پیرو اور ہندو چین میں لاکھوں انسان

پرندے، چرندے اور دیگر جانور ہلاک
ہو گئے۔ فرعونِ مصر نے بنی اسرائیل کو ہجرت
کی اجازت دیدی لیکن جب یہ طوفان ذرا
تھما تو فرعون عساکر اور رتھوں کو لے کر
تعاقب میں چل پڑا لیکن سمندر کی لہروں کی
نذر ہو گیا۔ اُدھر شہابِ ثاقب کا اگلا سرا
سورج کی طرف ہو گیا اور زمین والوں کو
رات کے وقت ایک روشنی کے مینار کی طرح
معلوم ہوتا تھا۔ بنی اسرائیل رات کو اس سے
راہبری کا کام لیتے رہے اور دن کے وقت
دھوئیں کا ایک ستون نظر آتا تھا۔ آہستہ آہستہ
اس دُمدار ستارے کی دُم اور سر آپس میں چکر
کھا کر ایک گولہ کی شکل اختیار کر گئی اور منجمد
ہو کر ستارہ بن گئی۔ تاریخی ثبوت کے لئے
اس نے سنہ ۲۱۰۰ قبل مسیح کے ہندو منجموں کے ایک
نقشہ کا ذکر کیا ہے جس میں ہمارے نظامِ شمسی
میں صرف چار ستاروں کے نام ہیں۔ زہرہ
کا نام نہیں ہے۔ اسی طرح دیگر مقامات مثلاً
بابل، مصر، ہندوستان میں بھی زہرہ کا ذکر نہیں
ملتا" وغیرہ۔

بذلہ سنجی

علم نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ جتنی زیادہ آپ کی
لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کی حِس تیز ہوگی اتنا ہی زیادہ آپ زندگی
کی مسرتوں اور خوشیوں سے بہرہ ور ہوں گے۔ ویسے بھی
ہم دیکھتے ہیں کہ عموماً ہر کوئی نکتہ فہم اور بذلہ سنج ہونے کا دعویٰ
کرتا ہے لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ اکثر لوگ اس حِس اور ذوق
سے محروم اور یکسر عاری ہوتے ہیں۔ لطیفہ فہمی اور بذلہ سنجی کا
ذوق زندگی کی صحیح تصویر سمجھنے میں مدد دیتا ہے اور دماغ
معمولی معمولی تکالیف اور دُکھوں کو رائی کا پہاڑ بنا کر سمجھنے
کا تدارک پیش کرتا ہے۔ ایک انسان جو کسی حالت یا واقعہ
کا لطیف پہلو (funny side of situation)
چُن کر کوئی پھبتی یا بات پیدا کرتا ہے وہ اس تکلیف اور
حادثہ کی شدت کو کم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کتنے ہیں
جو اس وقت لطیف ذوق کا مظاہرہ کرتے ہیں؟

ڈاکٹر لوئی اُومونیک (مشہور ماہر نفسیات امریکہ)
نے کالج کے طلباء میں اس ذوق کی تحقیق کے لئے آزمائش کی
ہے وہ کہتا ہے:۔

"طلبہ کی اکثریت ذوق بذلہ سنجی کو ضرورت
سے زیادہ استعمال کرتی ہے۔ ہر چار طلبہ
میں سے ایک طالب علم اپنے آپکو بذلہ سنج
اور لطیفہ فہمی کا اہل گردانتا ہے۔ صرف
ایک فی صدی نے کہا کہ وہ لطیفہ اور مزاح
سمجھنے سے عاری ہیں لیکن جب مَیں نے
لطیفے بیان کرنے شروع کئے تو ایک
طالب علم بھی ایسا نہ نکلا جس نے ان کو
پوری طرح سمجھنے کے ذوق کا اظہار کیا ہو۔
حالانکہ لطائف بالکل سادہ قسم کے تھے۔
طلبہ کی اکثریت لطیفے کا نکتۂ تفنن
سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی مثلاً میں نے

یہ لطیفہ سُنایا :-

دوست :- "یار تمہاری بیوی بہت کفایت شعار معلوم ہوتی ہے"

خاوند :- "کفایت شعار؟ ارے اگر مَیں کبھی اچانک بیمار پڑ جاؤں تو اُسے ہفتہ عشرہ کے بعد پتہ لگتا ہے"

دو تہائی طلبہ اِس بے معنی سے لطیفہ پر ہنس دیئے۔

آپ بھی یہ ذوقِ نکتہ سنجی مشق سے پیدا کر سکتے ہیں اور اب تو بعض مغربی ممالک میں مزاح کا ذوق پیدا کرنے کے لئے کتابیں باقاعدہ نصاب میں شامل ہیں تاکہ طلبہ کی مزاح نگاری اور لطیفہ فہمی کا ذوق اور قابلیت بڑھائی جائے اور وہ زندگی کی رنگا رنگی اور حماقتوں سے بھرپور یا پورا لطف اندوز ہو سکیں اور غم و یاس کے بھیانک اندھیروں سے نکل کر خود اپنے نفس کی شگفتگی اور مسرت کی روشنی کو دیکھ سکیں۔

لیکن یہ سوال رہ جاتا ہے کہ لطیفہ کسے کہتے ہیں؟ لطیفہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی بظاہر اوجھل پہلو دفعۃً اور اچانک روشن ہو جائے اور ہم اِس کا ادراک کر کے حظ اٹھائیں خواہ اس سے

مضمون نویسی کا انعامی مقابلہ

مجالس خدام الاحمدیہ کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ شعبہ تعلیم مرکزیہ کی طرف سے ایک انعامی تحریری مقابلہ کروایا جا رہا ہے۔ مقابلہ کی آخری تاریخ ۳۱ اگست ۱۹۶۳ء ہوگی۔ اس تاریخ تک مقالہ جات مہتمم تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ کو پہنچ جانے چاہئیں۔ مقالے کا عنوان "قرآن کریم اور زمانہ حال کی علمی ترقیات" ہے۔ مقالہ دس سے پندرہ ہزار الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیئے۔ اِس مقالہ میں اول، دوم اور سوم آنے والے خدام کو سالانہ اجتماع ۱۹۶۳ء کے موقع پر بالترتیب چالیس ۴۰/-، پندرہ ۱۵/- اور دس ۱۰/- روپے کے نقد انعام دیئے جائیں گے۔

(مہتمم تعلیم)

خدام الاحمدیہ کی دسویں مرکزی تربیتی کلاس

۱۹ اپریل سے ۳ مئی ۱۹۶۳ء تک جاری رہیگی

جملہ مجالس خدام الاحمدیہ کے لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ دسویں مرکزی تربیتی کلاس امسال انشاء اللہ العزیز ۱۹ اپریل تا ۳ مئی ۱۹۶۳ء ربوہ میں منعقد ہوگی۔ جملہ قائدین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اس میں زیادہ سے زیادہ خدام کو شامل کرنے کی ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔ ہر مجلس کی طرف سے کم از کم ایک نمائندہ ضرور شامل ہو۔ کوشش کی جائے کہ جو خدام میٹرک کا امتحان دے رہے ہیں وہ فراغت کے بعد اس میں ضرور شامل ہوں۔ قائدین جلد اطلاع دیں کہ ان کی مجلس کی طرف سے اس کلاس میں کتنے خدام شریک ہو رہے ہیں۔

(مہتمم تعلیم و ذہانت)

آپکے سوالات اور اُن کے جوابات

سوال ۱:۔ میں حضرت میرزا صاحب (مسیح موعود علیہ السلام) کو ایک صادق انسان جانتا ہوں مگر میں نے پہلے ہی ایک سید صاحب کی بیعت کی ہوئی ہے اس واسطے کسی اَور کی بیعت نہیں کر سکتا۔ کیا آپ کے نزدیک میرا مسلک جائز ہے؟

جواب:۔ جب خدا تعالیٰ کا مامور آجائے تو اُس کی بیعت کرنا فرض ہے۔ پہلی بیعتیں خود بخود غیر ضروری رہ جاتی ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ سے پہلے ایک سید بزرگ صاحب کی بیعت کی ہوئی تھی لیکن جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ ماموریت فرمایا تو آپ نے فوراً حضرت مسیح پاک کی بیعت کرلی۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آنیوالے مسیح کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے اس کی بیعت کرنا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل ہے۔

سوال ۲:۔ عیسوی خلافت دو ہزار سال سے مسلسل چلی آرہی ہے مگر اسلامی خلافت نصف صدی تک بھی نہ چل سکی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ قرآن کریم میں جہاں اسلام میں خلافت کا نظام جاری کرنے کا وعدہ فرمایا گیا ہے وہاں اسے بعض شرائط کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اور وہ شرائط اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت ہیں۔ چونکہ اس آیت میں خلافت کا ذکر ہے اسلئے اٰمنوا وعملوا الصلحٰت کے معنے ہوں گے کہ وہ خلافت پر ایمان رکھتے ہوں اور اس کے حصول کے لئے مناسب کام کریں۔ اگر یہ شرائط پوری نہ ہوں گی تو خدا تعالیٰ کا وعدہ بھی پورا نہ ہوگا۔ حضرت علیؓ کے بعد صرف لفظ خلافت باقی رہ گیا تھا لیکن عملاً بادشاہت قائم ہوگئی تھی اور تبلیغ اسلام کی طرف سے توجہ ہٹ گئی تھی۔ اور جب شرط ضائع ہوگئی تو مشروط بھی ضائع ہوگیا اور خدا تعالیٰ کا وعدہ ٹل گیا۔ باقی رہی عیسوی پاپائیت سو اسے خلافت علیٰ منہاج النبوّت کا درجہ دینا زیادتی ہے۔ اوّل تو پوپ پر تمام عیسائیوں کا ایمان نہیں ہے اور ایک فرقہ (کیتھولک) جو اسے مانتا ہے اس کی اکثریت بھی محض نمائشی طور پر اُس کی اطاعت کا دم بھرتی ہے ورنہ روزمرہ کے گھریلو اور دنیاوی معاملات میں پوپ یا چرچ کی بالکل پرواہ نہیں کی جاتی۔ اس قسم کی کھوکھلی خلافت مسلمانوں میں بھی ہزار بارہ سو برس تک چلتی رہی ہے۔ ہاں اب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسیح موعود کو مبعوث فرما کر ایک دفعہ پھر حقیقی اسلامی خلافت کا سلسلہ جاری فرما دیا ہے۔ کاش تمام مسلمان اسی کو پہچانیں اور اس کے ذریعہ ایک دفعہ پھر اس مبارک روحانی نظام سے وابستہ ہو کر اس کی روحانی و مادی برکات سے رہتی دنیا تک مستفید ہو سکیں۔

سوال ۳:۔ کیا خلیفہ کبھی خلافت سے دستبردار ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ خلیفہ خدا تعالیٰ خود بناتا ہے۔ اگر یہ

ظاہر میں اُسے اُمّت کے لوگ منتخب کرتے ہیں مگر اُس کے بنانے میں انسانی ہاتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض دفعہ تو جو شخص خلیفہ بنتا ہے اس کا خلیفہ ہونا بظاہر ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے الفاظ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ (سورۃ النور) خود ظاہر کرتے ہیں کہ خلیفہ خدا ہی بناتا ہے۔ کیونکہ جو وعدہ کرتا ہے وہی دیتا ہے نہ یہ کہ وعدہ تو وہ کرے اور اُسے پورا کوئی اَور کرے۔ اور جب خلیفہ خدا تعالیٰ ہی مقرر فرماتا ہے تو خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو کوئی بھی فرد یا جماعت اس مقام سے ہٹا نہیں سکتی۔ اور چونکہ خلیفہ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا کا مصداق ہوتا ہے اسلئے اس کا خود اس عہدہ جلیلہ سے دست بردار ہونا بھی محال ہوگا۔

سوال ۱۲: کسی غیر کے بچہ کو اپنا دودھ پلانے کے باوصف ایک عورت اُس کی رضاعی والدہ کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور اس کے حقیقی بچے اس بچّہ کے رضاعی بہن بھائی قرار پاتے ہیں (جن کا آپس میں نکاح وغیرہ حرام ہوجاتا ہے) دوسری طرف ہسپتال میں ایک آدمی کا سیروں خون دوسرے کے جسم میں داخل کر دیا جاتا ہے مگر ان میں اس طرح کی کوئی رشتہ داری نہیں قرار پاتی۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے؟

جواب: — دودھ اور خون میں طبّی نقطۂ نگاہ سے بڑا فرق ہے۔ دودھ ایک غذا ہے جو بدن کا جزو بنتی ہے جبکہ خون فی ذاتہٖ غذا نہیں ہے بلکہ جسم کی مشینری کی حرکت قائم رکھنے، حرارت کو یکساں رکھنے، غذا اور فاسد مادہ کی نقل و حمل وغیرہ کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

دوسرے رضاعی رشتہ اسی صورت میں بھی قرار پاتا ہے جبکہ بچہ کی عمر دو سال سے کم ہو اور حقیقی ضرورت کے پیش نظر اور اس کی زندگی کی بقا کی خاطر اُسے کچھ مدّت تک باقاعدگی سے کسی عورت کا دودھ پلوایا جائے۔ حقیقی ضرورت کے بغیر یا محض تکلّفاً چند گھونٹ دودھ پلا دینے سے رضاعت نہیں قائم ہوجاتی۔ یا مثلاً بچہ کی عمر دو سال سے زیادہ ہوچکی ہے اب اُسے خواہ کس قدر دودھ پلا دیا جائے اُس پر اس رشتہ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے دو سال میں بچہ کا جسم ابتدائی حالت سے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ پختگی کی طرف آرہا ہوتا ہے۔ ان ایام میں اسے انسانی دودھ کی شکل میں جو غذا دی جاتی ہے وہ بہت دُور رس نتائج کی حامل ہوتی ہے اور بچہ کے کردار وغیرہ کی تشکیل میں نمایاں پارٹ ادا کرتی ہے جبکہ خون کا ان امور سے ایسا تعلق ہرگز نہیں ہے۔

پھر قدرت نے انسانی دودھ میں بعض نہایت قیمتی اجزاء رکھے ہیں جو گائے بھینس وغیرہ جانوروں کے دودھ اور دیگر غذاؤں میں ہرگز نہیں پائے جاتے۔ پس یہ امر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ شیر خوار بچہ اپنی رضاعی ماں کے دُودھ میں سے اَن گنت مخصوص اثرات قبول کرتا ہے اور اس کے بدن کے بے شمار بنیادی خلیئے ان اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ نیز رشتۂ رضاعت کی اہمیت اور تقدیس واضح کرنے کے لئے بھی اُسے یہ درجہ اور مرتبہ دیا گیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصّواب)

خدام الاحمدیہ کا سالانہ امتحان

خدام الاحمدیہ کے ہر سہ معیاروں کا امتحان ماہ ستمبر ۱۹۶۳ء میں لیا جائے گا جس میں ہر معیار میں اوّل، دوم اور سوم آنے والے خدام کو سالانہ اجتماع ۱۹۶۳ء کے موقع پر انعامات دیئے جائیں گے عہدیداران سے درخواست ہے کہ وہ ان امتحانات میں زیادہ سے زیادہ خدام کو شامل کرنے کی ابھی سے کوشش فرماویں۔

معیار اوّل :-

پہلا پرچہ۔ قرآن کریم دوسرے دس پارے مع ترجمہ و معمولی تفسیر از تفسیر صغیر

حدیث۔ شرح صحیح بخاری از سید ولی اللہ شاہ صاحب جزو سوم چہارم۔ ۱۰۰ نمبر

دوسرا پرچہ۔ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ اسلامی اصول کی فلاسفی، چشمہ معرفت ۔۔۔ کتب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام، اسلام کا اقتصادی نظام، تعلق باللہ۔ اشعار عربی قصیدہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا عین فیض اللہ والعرفان .... ۲۰ شعر۔

آؤ عیسائیو ادھر آؤ ...... پوری نظم

فارسی کے ۲۰ شعر ــــــ ۱۰۰ نمبر

تیسرا پرچہ۔ عام دینی معلومات :-

دیباچہ تفسیر القرآن، سید الانبیاء، یکصد سوالات مع جوابات جو مرکز کی طرف سے شائع کئے جا رہے ہیں ــــــ ۱۰۰ نمبر

معیار دوم :-

پہلا پرچہ۔ قرآن کریم۔ پارہ ۳ تا ۷ ترجمہ مع معمولی تفسیر از تفسیر صغیر

حدیث۔ شرح صحیح بخاری از سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔ جزو سوم ــــــ نمبر ۱۰۰

دوسرا پرچہ۔ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ الوصیت، لیکچر لاہور۔ برکات الدعا۔

کتب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز۔ منہاج الطالبین، دعوۃ الامیر۔

ــــــ ۱۰۰ نمبر

تیسرا پرچہ۔ عام دینی معلومات :-

سلسلہ احمدیہ، سیرۃ خیر الرسلؐ، یکصد سوالات مع جوابات جو مرکز کی طرف سے شائع کئے جا رہے ہیں ــــــ ۱۰۰ نمبر

معیار سوم :-

پہلا پرچہ۔ قرآن کریم۔ پہلے دو پارے مع ترجمہ۔

حدیث۔ چالیس جواہر پارے ــــــ ۱۰۰ نمبر

دوسرا پرچہ۔ کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام۔ ایک غلطی کا ازالہ۔ کشتی نوح ــــــ ۱۰۰ نمبر

کتب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ احمدیت کا پیغام، سیرت حضرت مسیح موعودؑ۔

ــــــ ۱۰۰ نمبر

تیسرا پرچہ۔ یکصد سوالات مع جوابات جو مرکز کی طرف سے عنقریب شائع کئے جا رہے ہیں ــــــ ۱۰۰ نمبر

(مہتمم تعلیم)

قومی اور ملکی صنعت کو فروغ دینا آپ کا اولین فرض ہے

فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

آپ کا قومی ادارہ ہے کیونکہ تحریک جدید صدر انجمن احمدیہ نے اسے آپ کے قومی سرمایہ سے جاری کیا ہے۔ لہذا اسے کامیاب بنانے کی ذمہ داری ہر احمدی پر عائد ہوتی ہے۔ تاجر احباب کو اس طرف خاص توجہ کرنی چاہئے۔ ہمارے آقا سیدنا حضرت امیرالمومنین المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود نے بھی احباب جماعت کو اس ادارہ کی مصنوعات خریدنے اور ان کو فروغ دینے کی طرف کئی بار توجہ دلائی ہے۔ حضور فرماتے ہیں:۔

"ایک طریق چندہ کا یہ بھی ہے کہ دوست سلسلہ کے اداروں کی مصنوعات خریدیں اور ان کی حوصلہ افزائی کریں بلکہ باہر بھی فروخت کریں تو اس سے سلسلہ کو کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے" پھر فرمایا کہ "اگر ہماری جماعت کے لوگ توجہ کریں کہ سلسلہ کی طرف سے جو چیزیں بنتی ہیں ان کو خریدیں تو بڑی ترقی ہو سکتی ہے۔ مثلاً شائنو بوٹ پالش ہے۔ کف ایکس ہے۔ سن شائن گرائپ واٹر ہے۔ بامیکس سر درد کی دوا ہے۔ ڈاکٹروں کو بھی چاہئے کہ لے جائیں اور تجربہ کریں اگر مفید ہوں تو سرٹیفیکیٹ دیں"

فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ربوہ

ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپا